نعم العطاء

سیرت و سوانح

حضرت ماسٹر عطاء محمد صاحب رضی اللہ عنہ

پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ

مرتبہ

نسیم سیفی

نعم العطاء

سیرت و سوانح

حضرت ماسٹر عطاء محمد صاحب رضی اللہ عنہ

پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ

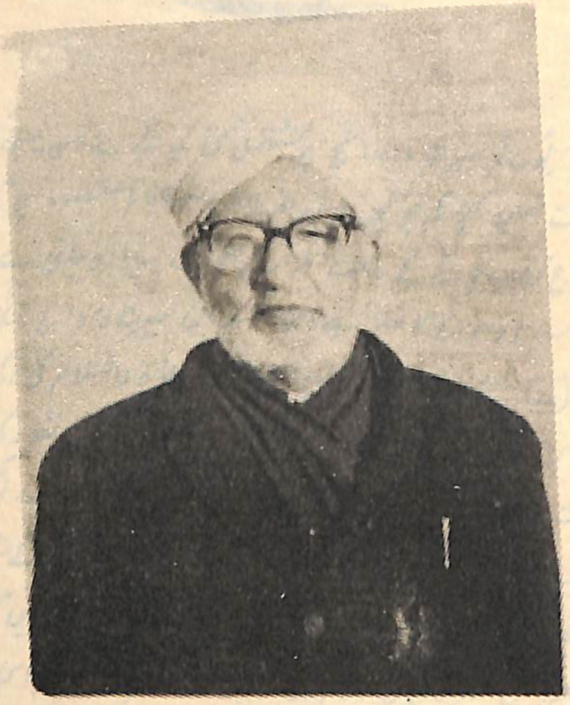
مرتبہ

نسیم سیفی

پبلشرز :- سیفی برادرز ــــ ۴ - میکلوڈ روڈ لاہور

ملنے کا پتہ :- ۱۷/۷ لم رحمت منزل دار الرحمت وسطی ربوہ

مطبع :- ضیاء الاسلام پریس ربوہ



حضرت ماسٹر عطاء محمد صاحب رضی اللہ عنہ

پیش لفظ

یُوں تو سیرت و سوانح پر مشتمل کتاب کے لئے کسی پیش لفظ کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کچھ پیش لفظ میں لکھا جانا مقصود ہوتا ہے وہی موضوع کتاب ہونے کے باعث تکرار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جہاں تک مطلق سیرت و سوانح کا تعلق ہے اس سلسلہ میں سیرت و سوانح نگاروں کی راہنمائی کے لئے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تحریر کا اقتباس شامل کتاب کر رہا ہوں۔ مَیں نے خود اسی کو پیشِ نظر رکھ کر والد مرحوم حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب فاضل رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے۔ اور اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کی علم و عمل کے لحاظ سے بھرپُور زندگی کے متعلق تمام کی تمام باتیں تو ایسی مختصر سی کتاب میں نہیں لکھی جا سکتیں۔ لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ بھی مَیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے لکھ پایا ہوں اس سے اباجی کی شخصیت خاصی حد تک نمایاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔

مَیں حالات و واقعات کے اس تذکرے کو قارئین کی خدمت میں پیش کر کے ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ از راہِ نوازش اباجی مرحوم کے لئے بھی دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا

فرمائے اور ان کے پسماندگان کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ صرف اور صرف اسی کی رضا کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں اور اسی کی خوشنودی کو دنیا و آخرت کا سب سے بڑا انعام سمجھیں۔

دعا کے حصول کی خاطر اس بات کا ذکر بھی کر دوں کہ عزیزان انور اقبال سیفی اور اظہر اقبال سیفی نے اس کتاب کے لکھنے میں میری بہت مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے آمین۔

مَیں عزیزم محمد رفیق احمد صاحب خوشنویس کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے بہت سے کام چھوڑ کر نہایت قلیل وقت میں بڑی محبت کے ساتھ اس کتاب کی کتابت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر دے آمین۔

نسیم سیفی

رحمت منزل ۔ ۱۷/۷/ہ دارالرحمت وسطی ربوہ

(۲۳ ر نومبر ۱۹۸۳ء)

سیرت و سوانح کے متعلق

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کے سوانح کا پورا نقشہ کھینچ کر نہ دکھلایا جائے تب تک چند سطریں جو اجمالی طور پر ہوں کچھ بھی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچا سکتیں اور اُن کے لکھنے سے کوئی نتیجہ معتدبہ پیدا نہیں ہوتا۔ سوانح نویسی سے اصل مطلب تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں اُن لوگوں کے واقعات زندگی پر غور کر کے کچھ نمونہ اُن کے اخلاق یا ہمّت یا زہد و تقویٰ یا علم و معرفت یا تائید دین یا ہمدردی نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لئے حاصل کریں اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوالعزم لوگوں کے حالات معلوم کر کے اس شوکت اور شان کے قائل ہو جائیں جو اسلام کے عمائد میں ہمیشہ سے پائی جاتی رہی ہے تا اس کو حمایت قوم میں مخالفین کے سامنے پیش کر سکیں اور یا یہ کہ اُن لوگوں کے مرتبت یا صدق اور کذب کی نسبت کچھ رائے قائم کر سکیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے اُمور کے لئے کسی قدر مفصّل واقعات کے جاننے کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نامور انسان کے واقعات پڑھنے کے وقت نہایت شوق سے اس

شخص کے سوانح کو پڑھنا شروع کرتا ہے اور دل میں جوش رکھتا ہے کہ اس کے کامل حالات پر اطلاع پاکر اُس سے کچھ فائدہ اُٹھائے۔ تب اگر ایسا اتفاق ہو کہ سوانح نویس نے نہایت اجمال پر کفایت کی ہو اور لائف کے نقشہ کو صفائی سے نہ دکھلایا ہو تو یہ شخص نہایت ملول خاطر اور منقبض ہو جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اپنے دل میں ایسے سوانح نویس پر اعتراض بھی کرتا ہے اور درحقیقت وہ اس اعتراض کا حق بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس وقت نہایت اشتیاق کی وجہ سے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک بھوکے کے آگے خوانِ نعمت رکھا جائے اور معًا ایک لقمہ کے اُٹھانے کے ساتھ ہی اس خوان کو اُٹھا لیا جائے۔ اس لئے ان بزرگوں کا یہ فرض ہے جو سوانح نویسی کے لئے قلم اُٹھاویں کہ اپنی کتاب کو مفید عام اور ہر دلعزیز اور مقبول انام بنانے کے لئے نامور انسانوں کی سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور اُن کی لائف کو ایسے طور سے مکمّل کر کے دکھلاویں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائم مقام ہو جائے۔ تا اگر ایسی خوش بیانی سے کسی کا وقت خوش ہو تو اس سوانح نویس کی دُنیا اور آخرت کی بہبودی کے لئے دُعا بھی کرے۔ اور صفحاتِ تاریخ پر نظر ڈالنے والے خُوب جانتے ہیں کہ جن بزرگ محققوں نے نیک نیتی اور افادۂ عام کے لئے قوم کے ممتاز شخصوں کے تذکرے لکھے ہیں انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔" (کتاب البریہ صـ ۱۵۹)

۱

خاکسار کے والد محترم ماسٹر عطا محمد صاحب فاضل پروفیسر جامعہ ربوہ ۲۸،۵ مارچ ۱۹۸۳ء کو ربوہ میں وفات پا گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تعزیت کا سب سے پہلا خط سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے موصول ہوا جس کا متن ذیل میں درج ہے۔ یہ خط نہ صرف محترم والد صاحب کے لئے بلکہ ہم سب پسماندگان کے لئے بھی باعثِ فخر ہے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کا رنگ رکھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ جس طرح حضور ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے محترم والد صاحب مرحوم کی دینی خدمات کو سراہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ اس کی رضا کی راہوں پر چلتے ہوئے خلیفۂ وقت کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالےٰ کے تعزیتی گرامی نامے کا متن درج ذیل ہے

• برادرم مکرم محترم نسیم سیفی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد صاحب محترم ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات

کا دلی صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ تعالےٰ

مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور اپنے خاص مقربین میں

نہیں داخل فرمائے اور آپ کو صبر کے ساتھ اس صدمہ کو

برداشت کرنے کی ہمت عطا کرے اور آپ سب کا حافظ

وناصر ہو۔ اور ہمیشہ اپنے فضلوں سے نوازتا رہے اُمید

مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں شامل ہونے

کا شرف حاصل تھا اور نہایت ہی تندہی اور وفاداری کے

ساتھ لمبے عرصہ تک جماعت کی خدمت سرانجام دیتے رہے

رضی اللہ عنہ

والسّلام

خاکسار، مرزا طاہر احمد

اس خط کے بعد پاکستان اور بیرون پاکستان سے والدصاحب

کے متعدد دوستوں، اور شاگردوں اور خاکسار کے رفقائے کار اور محبوں

کے بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ والد مرحوم نے ہمیشہ اس خواہش

کا اظہار کیا تھا کہ نیک لوگوں میں سے کم از کم ۴۰ افراد کے ساتھ تو

ایسی دوستی ہونی چاہیئے جو انسان کی زندگی پر نیکی کا گہرا اثر قائم کر سکے۔ تعزیتی خطوط اور ان میں تحریر کردہ محبت کے جذبات سے مجھے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں کئی۔ ہم افراد سے انتہائی دوستانہ اور محبانہ تعلق تھا۔ ان سب دوستوں نے ایسے خیالات اور جذبات کا اظہار کیا ہے جو ہمارے لئے والد صاحب کی شخصیت کو قابل فخر بنا دیتے ہیں۔

خاکسار اپنے تمام رشتہ داروں کی طرف سے ان تمام دوستوں کا جنہوں نے تعزیتی خطوط تحریر فرمائے تہ دل سے ممنون ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ جی تو چاہتا ہے کہ تعزیت کے ان تمام محبت ناموں کو شائع کر دوں لیکن اس مختصر سی کتاب میں ان تمام خطوط کی شمولیت ممکن نظر نہیں آتی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو آئندہ کسی وقت یہ تمام خطوط انشاء اللہ کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں گے۔ ان خطوط کی اشاعت کی اصل غرض یہ ہے کہ احباب جماعت کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی سے محبت کا اظہار اور اس کی خدمت دین میں شب و روز مصروفیت کا اعتراف ہو چند ایک خطوط کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مکرم و محترم صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

مکرم نسیم سیفی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے والد محترم کی وفات پر سخت صدمہ ہُوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ والدین کی دعائیں ایک ڈھال کا کام دیتی ہیں۔ ان سے محرومی کا احساس اور شدت ان کی وفات کے بعد ہر بچہ محسوس کرتا ہے۔ مَیں بوجہ خرابیٔ صحت خود تعزیت کے لئے نہ آسکا جس کا افسوس ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے، اور دین و دنیا کی حسنات سے نوازتا رہے۔

خاکسار:۔ مرزا مبارک احمد

-• محترم شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ نے اپنے خط محررہ ۱۴-۴-۸۳ میں تحریر فرمایا۔

مخدومی برادرم نسیم سیفی صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے کوئٹہ واپسی پر علم ہُوا کہ آپ کے پیارے اور ہمارے بزرگ

استاد حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب وفات پا گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ ۱۹۴۸ء میں جب سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کی کوئٹہ تشریف آوری کے موقعہ پر حضرت ماسٹر صاحب مرحوم غیر ملکی طلباء کو پڑھاتے تھے۔ اس زمانہ میں انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا بڑے نیک، کم گو، شریف النفس، بے حد سادہ یعنی منکسر المزاج دعاگو اپنے کام میں یکتا بلکہ گوہر یک دانہ کہیئے۔ سلسلہ کے سچے خادم تھے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں آپ جیسا خادم دین بیٹا عطا فرمایا۔ یہ بھی غالباً ان کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے اللہ نے آپ کو اردو انگریزی زبان میں جو ملکہ عطا فرمایا نظم و نثر میں وہ محض اللہ تعالےٰ کا آپ پر فضل ہے۔ براہ کرم حضرت ماسٹر صاحب مرحوم کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرماکر ممنون کریں۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین ثم آمین

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خاکسار۔ محمد حنیف عفی عنہ

۔ • محترم مسعود خورشید صاحب کراچی نے تحریر فرمایا:۔

گرامی القدر حبّی فی اللہ مکرم محترم بزرگوارم جناب مولانا صاحب دام ظلکم۔ اللہ تعالےٰ آپ پر اپنے فضلوں اور رحمتوں اور برکتوں کی

بارش نازل فرمائے اور ہر آن آپ کا خود حافظ و ناصر ہو آمین اللّٰھم آمین
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کے قابل صد احترام بزرگوار والد صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر معلوم کر کے سخت دلی صدمہ اور رنج ہوا۔ احمدیت کا ایک قابل تعظیم بزرگ اپنے پیارے رب کریم کے حضور حاضر ہو گیا اور احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا بما یرضی بہ ربنا۔ آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ دل بے حد غمگین ہیں۔ لیکن ہم زبان سے وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پیارا رب کریم راضی ہو یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین کا مقام عطا کرے اور حضرت رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں جگہ دے۔ اور ان کے درجات کو بلند سے بلند کرتا چلا جائے ۔

اے خدا بر تربت اُو ابر رحمت ہا بہ بار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

ایسے بزرگ مومن احمدی کی رحلت ایک قومی صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کی جگہ لینے کی توفیق بخشے آمین۔ حضرت مولوی عطا محمد صاحب

واقعی قابل تعظیم و احترام بزرگ تھے جنہوں نے آپ جیسے عظیم الشان وجود کو خدمت اسلام کے لئے تیار کیا۔ اللہ تعالےٰ ان کی اس قربانی کو قبول فرما کر آپ کو بیش از پیش مقبول خدمات دینیہ کی توفیق عطا فرماتا رہے تاکہ یہ نیکیاں انکے اعمالنامہ میں لکھی جائیں اور انکی روح کو اللہ تعالیٰ تسکین بخشے اور انکی مغفرت فرمائے آمین اللھم آمین

میری ملاقات آپ کے والد صاحب بزرگوار سے چند سال قبل ماہ رمضان المبارک میں محترم سلطان احمد صاحب طاہر کے مکان پر ہوتی رہی آپ کے والد بزرگوار خود صاحب علم اور عالم باعمل تھے لیکن مجھ جیسے کم علم اور نالائق انسان کی دلجوئی کے لئے پیار سے مجھے فرمایا کہ آپ بہت اچھا درس قرآن کریم دیتے ہیں۔ آپ ہی ہمیشہ درس دیا کریں۔ میں نے عرض کیا کہ تنظیم کے ماتحت جس طرح حکم ملتا ہے میں درس دیتا ہوں لیکن میرا تو کوئی علم نہیں۔ میں تو تفسیر صغیر سے اور تفسیر کبیر سے استفادہ کر کے بیان کر دیتا ہوں لیکن وہ پھر بھی مجھے ہی درس دینے کے لئے فرماتے رہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں غریق رحمت کرے آمین اللھم آمین

میری اہلیہ اور خاکسار کی طرف سے جملہ اہل خانہ و عزیزان کو اظہار تعزیت کر دیں اور سلام علیکم عرض کر دیں۔ مجھے اور میری اہلیہ اور بچوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں جزاکم اللہ احسن الجزا کان اللہ معکم فقط والسلام دعاگو محتاج دعا آپ کا خادم مسعود احمد خورشید عفی عنہ کراچی۔

— • محترم ڈاکٹر سید ظہور احمد شاہ صاحب نے تحریر فرمایا:۔
الفضل میں آپ کے والد محترم کی وفات کی خبر پڑھی بہت افسوس ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بہت اچھے آدمی تھے۔ چند سال قبل گولبازار میں حکیم خورشید احمد صاحب کے مطب میں ملاقات ہوئی تھی اور بہت اچھی باتیں سنایا کرتے تھے۔ آپ انکی دعاؤں سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں مقام علیین عطا فرمائے۔ آپ کو اور دیگر لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

— • محترم ثاقب زیروی صاحب نے تحریر فرمایا:۔
شوریٰ کے دنوں میں تو اِدھر اُدھر گھومنے کی فرصت ہوتی ہی نہیں اور شوریٰ ختم ہوتے ہی میں لاہور کو چل پڑا۔ البتہ دو ایک دفعہ سٹیج پر آپ کی غیر حاضری ضرور محسوس ہوئی۔ یہ عقدہ آج (۷ اپریل کے) الفضل نے حل کیا کہ آپ کی عدم موجودگی کا پس منظر حضرت والد صاحب کی وفات حسرت آیات تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ اپنے مسیح کے اس حواری کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے قربتِ خاص سے نوازے اور رحمت و رافت کا معاملہ فرمائے۔ (یہ برگزیدہ ہستیاں جنہوں نے اس ماہِ کامل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا بڑی تیز رفتاری سے نگاہوں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہیں)۔ اور آپ کو اپنے فضل سے اس صدمہ کو اپنی رضا و خوشنودی کے مطابق قبول و برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○ ۔ ان خطوط میں ایک ایسا بھی خط تھا جس کے تحریر کرنے والے دوست خاکسار کو خط ملنے سے دو روز قبل خود ایک حادثہ میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، یہ تھے میرے محترم دوست فیض اسلم صاحب سپیشل جج سنٹرل راولپنڈی۔ ۸ اپریل کو انھوں نے تعزیتی خط تحریر فرمایا اور ۱۱ اپریل کو وہ خود اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ۱۳ تاریخ کو ان کا خط مجھے ملا جس کے جواب میں نہ صرف مجھے ان کے خط کا شکریہ ادا کرنا تھا بلکہ ان کی بیگم صاحبہ سے تعزیت بھی کرنی تھی۔ اللہ فیض اسلم صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ان کا خط اگرچہ مختصر تھا لیکن ہمدردی سے پُر۔ فیض اسلم صاحب نے لکھا تھا۔

آج کے الفضل میں آپ کے والد صاحب کی رحلت کی روح فرسا خبر پڑھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اگرچہ یہ صدمہ بہت جانکاہ ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں

● ۔ محترم ناصر علی صاحب تمیم نے تحریر فرمایا۔

الفضل میں مخدومی حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات کی المناک خبر سے دل سخت دردمند ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام

رب کریم انہیں اپنے جوارِ رحمت میں بلند مقام بخشے اور آپ سب
کو صبرِ جمیل بخشے آمین۔ آپ سب پر اللہ کریم کی رحمت و شفقت کا سایہ
تھے۔ ان کی درد مندانہ دعائیں آپ کے لئے قربِ الٰہی کی راہیں
آسان کرتی تھیں اور ہزاروں بلاؤں اور آفات سے بفضلِ خدا
بچاتی تھیں۔ اس ناچیز سے بڑی شفقت و رحمت سے ملا کرتے اور طبیعت پر
ایک خاص مسرت کا اثر ہوتا۔ ایسے نافع اور بابرکت دعاگو وجودوں کی
ابھی جماعت کو بہت ضرورت تھی مگر ہمارا کریم اور حکیم خدا اپنی
حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔ ارحم الراحمین ان کی نسلوں کو
مبارک کرے اور ان کے نوروں کو ان میں قائم رکھے۔

— ○ محترم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ حال امام
مسجد احمدیہ لنڈن نے اپنی طرف سے اور انگلستان کی جماعت کی طرف
سے بذریعہ تار تعزیت کا اظہار کیا اور بعد میں یہ اطلاع بھی ملی کہ انہوں
نے لنڈن مسجد میں جنازہ غائب بھی پڑھا۔ اسی طرح سیلون سے عزیزم
مکرم مولوی عبد الستار صاحب نے تعزیت کے اظہار کے ساتھ یہ اطلاع بھی دی
کہ مسجد بشارت پیدرو آباد میں جنازہ غائب پڑھا گیا۔ بعض دیگر
ممالک کی جماعتوں میں بھی والد مرحوم کا جنازہ پڑھا گیا۔ میں ان جماعتوں کا
خاص طور پر دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے نہ صرف خط کے ساتھ اظہار
تعزیت کیا بلکہ نماز جنازہ بھی ادا کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے آمین

— ○ محترم خان عبد السلام خان صاحب آف پشاور نے اپنے تعزیتی

خط میں تحریر فرمایا:۔

آپ کے والد محترم قبلہ ماسٹر عطا محمد صاحب ؒ کی وفات حسرت آیات کا سخت افسوس ہے اللہ تعالےٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین سنہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے خاکسار بسلسلہ ملازمت راولپنڈی سیٹلائٹ ٹاؤن F بلاک میں رہائش پذیر تھا اور مکرم ماسٹر صاحب ان دنوں راولپنڈی میں قیام فرما تھے اور احمدی بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے تھے۔ صبح کی نماز احباب جماعت سیٹلائٹ ٹاؤن میرے مکان پر باجماعت پڑھتے تھے اور مکرم ماسٹر عطا محمد صاحب ؓ امامت فرماتے تھے اور اتنی خوش الحانی سے قرأت فرماتے تھے کہ دل خوش ہو جاتا تھا۔

ایک دن عید کے موقع پر میں عبد الحفیظ صاحب جالندھری کے مکان پر جو اسی بلاک میں سڑک کے دوسری طرف (میرے مکان کے) دو منزلہ مکان میں رہتے تھے۔ اور نیچے کی منزل پر میجر سید ضمیر جعفری صاحب رہتے تھے۔ عید کی مبارک باد دینے گیا تو حفیظ صاحب نے مجھے فرمایا کہ صبح کے وقت جو آپ قرأت قرآن نماز میں کرتے ہیں وہ اتنی خوش الحانی سے کرتے ہیں کہ میں بستر سے اٹھ کر کھڑکی میں کھڑے ہو کر وہ تلاوت سنتا رہتا ہوں۔ اس پر میں نے عرض کی کہ وہ تلاوت میں نہیں کرتا بلکہ ہمارے ایک بزرگ صحابی ہیں وہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جماعت کی کارکردگی کی تعریف کرنے لگے۔ اور جماعت کی باجماعت

نماز تنظیم و ضبط اور اخلاق کی تعریف کرنے لگے۔ اور فرمایا کہ ہم مسلمانوں سے آپ لوگ بہتر ہیں بلکہ ہم لوگ صبح کے وقت محو خواب ہوتے ہیں اور نماز سے غافل۔ آپ لوگ باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالے حضرت ماسٹر صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ میرے بڑے مہربان تھے

اس خط کے ملنے کے بعد میں نے محترم خان صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ میں والد مرحوم کے متعلق ایک مختصر سی کتاب مرتب کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں میری خواہش ہے کہ آپ کے اس خط کو شامل کتاب کروں۔ اس کے جواب میں محترم خان صاحب نے تحریر فرمایا:

مکرم محترم جناب سیفی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے مکرم محترم قبلہ ماسٹر صاحب رضی اللہ تعالے عنہ کے واقعہ کے متعلق جو میں نے لکھا تھا کے شائع کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ اجازت ہے۔

آپ کے خط سے مکرم قبلہ ماسٹر صاحب رضی اللہ تعالے عنہ ایک دفعہ پھر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ میرے بڑے مشفق اور مہربان تھے۔ جب میں بی۔ ٹی میں تھا اور آپ بھی وہاں پر تھے تو تقریباً روزانہ ملاقات ہوجاتی تھی خاصکر صبح اور شام تو ضرور۔ اتنی خوش الحانی سے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے کہ صبح کے وقت جب ہر طرف خاموشی ہوتی تھی میں سمجھتا ہوں کہ پرند اور چرند بھی جناب ماسٹر صاحب کی قرأت سننے کے لئے خاموش ہوجاتے تھے۔ ایک سحر کن آواز تھی۔ آپ کا تقویٰ اور تقدس اور خوبصورت نورانی چہرہ مدتوں یاد رہیگا اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپکا مخلص عبدالسلام بٹ

۔ ○ محترم مولوی عبد المجید صاحب نے کراچی سے تحریر فرمایا:۔

والد صاحب محترم حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات کی خبر معلوم کر کے ہم سب کو بے حد رنج ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
جلسہ کے موقعہ پر ہی ایک دو دفعہ ان کے نیاز حاصل ہوئے تھے۔ بہت ہی خوبیوں والے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے درجات بلند فرمائے اور اپنے قرب و رحمت میں بلند سے بلند مقام عطا فرمائے آمین

اللہ تعالیٰ سب پسماندگان کو صبر جمیل بخشے اور ان کا حافظ و ناصر ہو۔ براہِ کرم ہماری جانب سے اپنی ہمشیرہ صاحبہ محترمہ اور گھر والوں سے تعزیت فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے اور صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

۔ ○ مکرم جمیل الرحمٰن صاحب رفیق امیر و انچارج مبلغ کینیا مشرقی افریقہ نے تحریر فرمایا:۔

الفضل کے تازہ پیکٹ سے یہ اندوہناک خبر معلوم ہوئی کہ آنمکرم کے والد ماجد بقضائے الٰہی اللہ کو پیارے ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ محض رسمی تعزیت نہیں بلکہ مرحوم و مغفور کے ساتھ عاجز کے گہرے مراسم تھے۔ میں نے انہیں بہت شفیق پایا۔ اگرچہ مرحوم یوں بھی بزرگ تھے اور عمر میں بھی بہت بڑے تھے

. . . . گر عاجز سے ہمیشہ دوستانہ رنگ میں ملتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک بار سوات کا سفر کرنے کا بھی موقع میسر آیا۔ اسی طرح بعض اور اسفار بھی ان کے ساتھ کئے۔ ہمیشہ ہی ان کی معیت رونق اور انبساط کا باعث رہی۔

جامعہ میں جن دنوں عاجز بطور عربی ٹیچر تعینات تھا۔ روزانہ ہی مکرم و محترم ماسٹر صاحب مرحوم سے ملاقات ہوتی اور ہمیشہ ان سے ملاقات دلی خوشی کا موجب ہوتی۔ ایک آدھ مرتبہ کے علاوہ ہمیشہ انہیں خوش نجوش پایا۔ غیر ملکی طلباء کو اردو پڑھاتے میں آپ ید طولےٰ رکھتے تھے۔ بڑی باقاعدگی سے جامعہ میں حاضر ہوتے اور اپنے فرائض منصبی کو نہایت دلجمعی سے ادا فرماتے۔

اللہ تعالےٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ اپنی چادر غفران میں پورے طور پر ڈھانپ لے۔ اور اپنے قرب کی جنتوں میں جگہ عنایت فرمائے۔ آپکو بلکہ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے نیک نمونہ پر چلنے کی توفیق مرحمت کرے۔ میری طرف سے اس موقعہ پر دلی تعزیت قبول فرمائیے۔ و منھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر

-۰ محترم چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل گورنمنٹ تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے تحریر فرمایا:-

آپ کے ابا جان حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب رضؓ کی وفات پر تدفین کے وقت مختصر سی ملاقات ہوئی۔ جی چاہتا تھا کہ حاضر ہو کر جذبات تعزیت

اپنی طرف سے اور اپنے خاندان کی طرف سے آپ تک پہنچاؤں ۔ لیکن مکروہات زمانہ کے ہاتھوں کچھ ایسا زچ ہو کر رہ گیا کہ حاضر نہ ہو سکا ۔ حضرت مرحوم سے عاجز کا ایک پرانا تعلق بھی ہے ۔ جب انہوں نے سید سلیمان ندوی صاحب سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کیا تو عاجز ان کی تحریر کی گہرائی پر جستگی اور حسن وخوبی پر حیران رہ گیا ۔ کتنا عرصہ عاجز کو یہی خیال رہا کہ یہ تحریریں برادرم مکرم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب کے والد صاحب کی ہیں ۔ پھر یہ راز کھلا تو یہ واقعہ ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا ۔ والد کی وفات تو ویسے بھی ایک روحانی زلزلہ سے کم نہیں ہوتی اور ایسے والد کی وفات جو سراپا نور اور مجسم معرفت وحکمت اور خلوص وخدمت ہو اس کا بیان کیسے کیا جائے ۔ یہ محرومی ساری جماعت کی محرومی ہے اور آپ کا دوہرا تعلق تھا ۔ اب یہ دور ختم ہو رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ساری جماعت کو اس صدمے کے برداشت کرنے کی توفیق دے اور اپنے خاص فضل اور ستاری سے ان برکتوں سے ہمیں محروم نہ کرے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ خاص تھیں ۔ مرحوم کو اپنے قرب خاص میں جگہ دے ۔ اور آپ کو حسنات دارین سے نوازے اور حافظ وناصر ہو ۔ آمین

۵۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ سابق وکیل اعلیٰ و وکیل التبشیر ومبلغ انچارج جرمنی نے تحریر فرمایا ۔

برادرم محترم جناب سیفی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد محترم جناب ماسٹر عطا محمد صاحب سے مجھے خاص ذاتی تعلق بہت تھا۔ انکی وفات کی خبر سے بہت صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ اپنی محبت اور قرب سے نوازے اور آپ سب کو ان کی خوبیوں کا وارث بنائے آمین۔

محترمی صاحبزادہ میر داؤد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ جناب ماسٹر صاحب رضی اللہ عنہ کے غیر ملکیوں کو خوبی سے اردو سکھانے کی تعریف فرمائی۔ پھر خود میرے بھائی عزیزم شریف احمد (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اس پر رحمتوں کی بارش فرماتا رہے) نے انہیں اپنے بچوں کو پڑھانے کیلئے تکلیف دی۔ اور ان کے مدّاح تھے۔ مجھے بھی بڑی خواہش تھی کہ عزیزم بچی کو اردو پڑھائیں اور انہوں نے اسے منظور فرما لیا تھا لیکن میری واپسی میں التوا ہوتا گیا اور پھر جب واپس گئی۔ میری تقرری پھر یورپ میں ہو گئی۔ گو بعد میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ کا میرے فرینکفرٹ جانے سے قبل ارشاد ملا کہ نہ جاؤں اور گو واقف تو ہمیشہ واقف ہی رہتا ہے لیکن اب آپ دونوں کی صحت کے باعث فارغ ہیں۔ پس اللہ کی تقدیر یہاں تک گئے اور وہ پروگرام رہ گیا۔ اس دوران میں محترمی ماسٹر صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ ان سے راضی ہو بلکہ ان سے راضی ہوا۔

آپ ماشاء اللہ خوش نصیب ہیں کہ تیسری خلافت میں خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا یہ احسان ہے۔ لیکن سیدنا حضرت صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ کی رفتار بہت تیز ہے۔ ماشاء اللہ عزم ولولہ اور پھر جوانی، اور پھر آپ کی لائن نئی اور مشکل ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ اس کی سمجھ دے اور کامیابی سے نوازے۔

امید ہے کہ آپ مع اہل وعیال صحت و عافیت سے ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ ہمیشہ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔

آپ خود دین کے کام میں اور پاک مرکز احمدیت میں اور پاک امام اطال اللہ بقاء ہ واطلع شموس طالعہ کے قدموں میں ہیں از راہ کرم ہمیں بھی اپنی پاک دعاؤں میں سے کچھ حصہ دیں۔ سب کو سلام۔ فقط والسلام

(مشتاق احمد باجوہ)

• عزیزم مکرم چوہدری منیر احمد صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے سینٹ لوئیس امریکہ سے تحریر فرمایا:

امید ہے آپ اللہ تعالےٰ کے فضل سے بخیریت ہوں گے۔ ابھی ابھی الفضل کا تازہ پرچہ موصول ہوا جس سے آپ کے والد محترم حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب کی اندوہناک وفات کی خبر کا علم ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت ماسٹر صاحب کی وفات کا سخت افسوس اور صدمہ ہوا۔

خاکسار کو ان کے ساتھ اور انہیں خاکسار کے ساتھ جامعہ کے زمانہ سے ایک خاص انس تھا اور پھر غالباً ۱۹۷۹ء کی بات ہے۔ خاکسار راولپنڈی بطور مربی مقیم تھا۔ اور مسجد نور مری روڈ کے اوپر کے حصّہ میں ہی رہتا تھا۔ ایک یوم حضرت ماسٹر صاحب اچانک تشریف لے آئے اور بجائے اپنے عزیزوں کے ہاں اسلام آباد میں قیام کرتے کے مجھے شرف بخشا۔ اور از راہ کرم میرے پاس ٹھہرے اور ان کے قیام کے چند دن مَیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس قدر صاف طبیعت آپ نے پائی کہ رشک آتا تھا۔ راولپنڈی سے جب ربوہ واپس آئے تو خاکسار کے ساتھ خط وکتابت بھی رہی اور آپ کے پیارے خطوط میرے پاس موجود ہیں اور کسی جگہ مَیں نے محفوظ کر کے رکھے تھے۔ امریکہ آنے سے قبل میں سوچ رہا تھا کہ انہیں ساتھ لے جاؤں۔ مگر پھر ربوہ میں اپنے سامان کے ساتھ رکھ آیا۔

محترم ماسٹر صاحب کی وفات پر میری طرف سے تعزیت قبول فرمائیں یقیناً آپ کو سب سے زیادہ غم ماسٹر صاحب کی جدائی کا ہُوا ہوگا۔ مگر یہ خط لکھتے ہوئے خاکسار بھی سخت غمگین ہے کیونکہ حضرت ماسٹر صاحب اب ہم سے عارضی طور پر جدا ہو چکے ہیں۔ براہ کرم جملہ لواحقین کی خدمت میں میری طرف سے تعزیت کا پیغام پہنچا کر مشکور فرمائیں۔ خدا آپ سب کا حافظ و ناصر ہو اور ہمیشہ فضل سے نوازے آمین

— • مکرم ڈاکٹر افضل احمد صاحب افضل نے تحریر فرمایا:۔

مجھے آج ہی چھوٹے بھائی جمیل احمد کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد صاحب جو کہ صحابی بھی تھے وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ دلی صدمہ ہوا۔ بزرگ اور پھر صحابی تو جماعت کے بہت بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔ یہ تو ساری جماعت کے لئے صدمہ عظیم ہے! اللہ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم آپ سب کو اور ساری جماعت کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

—• مکرم و محترم شیخ رحمت اللہ صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ کراچی نے تحریر فرمایا:۔

الفضل اخبار سے آپ کے والد محترم کی وفات کی خبر پڑھی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یکم سے ۱۳ تک میں ربوہ میں تھا۔ مجھ سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔ ورنہ تعزیت کے لئے خود حاضر ہوتا۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کے والد محترم صحابی تھے۔ اور پھر ان کی خدمت کا آپ کو موقعہ ملا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور آپ کو اور دوسرے عزیزوں کو صبر اور رحمت دے آمین

—• مکرم محمد خان رانا صاحب ایڈووکیٹ دار النصر بہاولنگر نے تحریر فرمایا:۔

بخیرم و خیر خواہم۔ روزنامہ الفضل میں آپ کے والد محترم مکرم جناب ماسٹر عطا محمد صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کی خبر پڑھ کر از حد افسوس ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم

کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین مقام عطا فرمائے۔ آپ اور دیگر لواحقین و عزیز و اقارب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور آپ سب کا حافظ و ناصر اور معین و مددگار ہو۔ آمین

والدین کا سایہ آیۂ رحمت ہوتا ہے اور اس سے محرومی ایسا نقصان ہے جس کی کمی سوائے اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم کے کوئی دیگر چیز پوری نہیں کر سکتی۔ مومن تو بہرحال راضی برضا رہتا ہے اور ہر حال میں اللہ تعالےٰ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے اس کمی کو پورا فرمائے۔ اس عظیم صدمہ میں مجھے اپنا شریکِ غم تصور فرمائیے اور جملہ اہلِ خانہ کی خدمت میں خاکسار کی جانب سے اظہار تعزیت فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کے رنجور دلوں پر رحمت کا سایہ رکھے۔ اور تسکین قلب عطا فرمائے

-• مکرم ملک محمد شریف صاحب نے راولپنڈی سے تحریر فرمایا۔

آپ کے والد مرحوم آپ کے تو حضرت والد تھے مگر جماعت احمدیہ کے ایک واجب الاحترام بزرگ تھے۔ صحابی ہونے کے علاوہ ان خاص مقدس بزرگوں کی فہرست میں شمار ہوتے تھے کہ جنہوں نے سلسلہ عالیہ کی بے لوث علمی خدمات کی ہیں اور ان کی وفات سے جماعت میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے کہ جس کی صرف اور صرف اللہ تعالےٰ کا فضل ہی تلافی کر سکتا ہے۔ ان کی علمی اور قلمی خدمات ہمیشہ جماعت میں یادگار

رہیں گی۔ آپ کے بزرگ والد صاحب نے اس عاجز کو اپنے دستخطوں کے ساتھ مولوی نذیر ی سے مسئلہ ختم نبوت پر بحث کی ایک کاپی کمال شفقت سے عطا کی تھی کہ جو نہ صرف ان کی یادگار اس عاجز کے پاس ہے بلکہ میری لائبریری کی زینت وہ کتابچہ ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت ماسٹر صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے خاص اور خادم دین بندوں کی صف میں شامل کرے اور ان کی خدمات کو اپنے فضل سے قبول فرمائے۔

میری طرف سے اور میرے اہل وعیال کی طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔ آپ کی خدماتِ دینیہ کو دیکھ کر رشک آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ جیسے سینکڑوں خادم دین اپنی جماعت کو عطا کرے اور سلسلہ احمدیہ دن بدن ترقیات عطا کرتا چلا جائے۔ اور مشکلات کے دور کو اپنے فضل سے دور کردے۔ آمین

-○ مکرم سید احمد شاہ صاحب سابق مبلغ مغربی افریقہ نے راولپنڈی سے تحریر فرمایا:۔

خدا کے فضل سے ماسٹر صاحب بہت زندہ دل بزرگ تھے۔ مَیں نے آپ کے چہرے پر کبھی غمی کے آثار نہیں دیکھے۔ جب دوستوں سے ملتے تو ہنستے ہوئے ملتے تھے۔ مَیں جب افریقہ جانے لگا تو اس وقت مجھے ایک خاص نصیحت کی تھی جس کا علم آپ کو بھی ہے۔ خدا کے

فضل سے دوستوں سے بہت محبت کرنے والے اور ہمدرد تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور اپنے خاص مقربین میں ان کو جگہ دے اور آپ کو صبر کے ساتھ اس صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق دے۔ اور آپ سب کا حافظ و ناصر ہو اور ہمیشہ اپنے فضلوں سے نوازتا رہے آمین۔

- ○ مکرم عطاء المجیب راشد صاحب نے جاپان سے تحریر فرمایا:۔

چند روز ہوئے اخبار الفضل سے یہ نہایت افسوس والی خبر معلوم ہوئی کہ آپ کے والد محترم مکرم ماسٹر عطا محمد صاحب انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اس خبر سے بہت افسوس ہوا۔ اور دل سے دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اپنے قربِ خاص سے نوازے آمین۔ انہوں نے زندگی کے آخری حصہ میں جامعہ احمدیہ کے غیر ملکی طلباء کو اردو پڑھا کر سلسلہ کی جو خدمت کی ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ نیز اس کے بابرکت اثرات ایک بہت ہی لمبے عرصہ تک ظاہر ہوتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی سب خدمات قبول فرمائے آمین۔ میری طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیں۔

- ○ اسی طرح مکرم سجاد احمد صاحب نے فجی سے تحریر فرمایا:۔

بذریعہ اخبار الفضل آپ کے والد صاحب کی وفات کا علم ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر بہت افسوس اور سخت دکھ ہوا ع

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

میری خاص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ والد صاحب کے درجات بلند کرے ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کی برکات سے مستفید کرتا رہے۔ ان کا وجود ایک قومی وجود تھا۔ نہایت شفیق استاد تھے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعتی خلا کو پُر کرے خاکسار جب ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۳ء تک جامعہ میں پڑھتا تھا تو وہ غیر ملکی طالب علموں کو پڑھایا کرتے تھے اور جامعہ کے ہر طالب علم کے لئے ایک ہر دلعزیز وجود تھے طبیعت بہت ہی ہنس مکھ اور مزاح والی تھی۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر طبیعت فرحت محسوس کرتی تھی اور جب کبھی وقت ملتا تو خاکسار ان کی صحبت سے مستفید ہوتا ان کی وفات کی خبر سنکر حقیقتاً" ایک صدمہ سا ہوا۔ خاکسار اس وقت جس دوست کے مکان پر ٹھہرا ہوا ہے مکرم محمد شمیم بخش S/O رحیم بخش سابق طالب علم جامعہ احمدیہ انہوں نے سنا ہے اور گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں سلام بھی عرض کرتے ہیں۔ ایک دفعہ پھر خاکسار آپ کے ساتھ دلی صدمہ کا اظہار کرتا ہے۔

-- • مکرم مرزا عبدالحق صاحب گیمبیا نے تحریر فرمایا:۔

مکرم برادرم داؤد احمد طاہر صاحب کے ذریعہ یہاں استاذ مکرم

جناب ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات کا علم ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہاں نماز جنازہ غائب ادا کی گئی۔ حضرت الاستاذ المکرم گو اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے مگر ان کی خدمات جلیلہ کے ذریعہ ان کی ان گنت یادیں اندرون و بیرون ملک قائم و دائم ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر تو باقاعدہ موقع نہ ملا کیونکہ مرکز میں صرف اجتماع کے دنوں میں ہی ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا تھا تاہم احباب کے ذریعہ ان کی پیرانہ سالی کے باوجود اُن کے دینی شغف اور جذبۂ فدائیت اور گوناگوں مصروفیت کا علم ہوتا رہا ہے جس کا ثبوت آپ ایسے فداکار صاحب بصیرت و بصارت جلیل القدر فرزند ہیں بلکہ دیگر اعزا بھی الٰہی اغراض کے لئے کوشاں ہیں۔

خدائے قدوس مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور قرب کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے اور خاندان میں روح مبارک کو جاری و ساری رکھے جو ان کی بلندیٔ درجات کا موجب بنتی رہے۔

-• مکرم ڈاکٹر قاضی محمد برکت اللہ صاحب نے امریکہ سے تحریر فرمایا:۔

اخبار سے آپ کے والد صاحب کے انتقال کی خبر پڑھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے قرب میں جگہ دے اور ان کی خوبیوں کو ان کی اولاد کے ذریعہ اجاگر اور دائمی رکھے آمین

کیسی پوری عمر جو انہیں ملی۔ اس میں آخر دم تک دین کی خدمت میں بسر کی اللہ تعالیٰ آپ

سب پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور مرحوم حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب کو اعلیٰ علیین میں بلند تر مقام عطا کرے آمین ثم آمین

اصل میں اخبارات اس ترتیب سے نظر پڑے جوکہ پیکٹ کی شکل میں آتے ہیں کہ پہلے کتاب کا اعلان دیکھا جو حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب اور سید سلیمان ندوی صاحب کے درمیان ہوئی اور اس وقت سوچا کہ یہ کتاب منگوانی چاہیئے۔ پھر اخبار دیکھا اس میں حضرت ماسٹر صاحب کی خبر پڑھی اور دکھ ہوا اور دل نے کہا کہ آپ کو خط لکھوں گا۔ پھر اخبار دیکھا تو اس میں آپ کی علالت کی خبر تھی۔ اب اخبار کی ترتیب تاریخ خط لکھنے سے پہلے درست کی ہے۔ آپ کو میں ایک دفعہ ہوائی جہاز میں پاکستان آتے ملا تھا۔ آپ کے نام سے تو بہت پہلے واقف تھا لیکن آپ سے مل کر بہت متاثر ہوا۔ پھر ایک دفعہ آپ کے دفتر میں بھی ملا تھا۔

۵۔ مکرم بشیر احمد صاحب اختر پرنسپل احمدیہ سیکنڈری سکول (بو) نے سیرالیون سے تحریر فرمایا:۔

کل ہی مجھے آپ کے والد ماجد صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ مجھے اور میرے اہل وعیال کو بہت سخت افسوس ہوا وہ جامعہ احمدیہ میں استاد ہونے کی حیثیت سے ایک نہایت ہی اچھا کام سرانجام دے رہے تھے اور اس طرح سے جماعت کا ایک قیمتی وجود تھے۔ اللہ تعالےٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ جنت الفردوس میں اعلےٰ مقام سے نوازے اور پسماندگان

کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مجھے اور میرے بچوں کو آپ کے گھر ان کے پاس چند منٹ بیٹھنے کا موقعہ ملا تھا۔ ان کے علم و ہنر اور دینی باتوں سے ہم بہت متاثر ہوئے تھے وہ گھر کی رونق تھے۔ اور پھر بزرگوں کی موجودگی ویسے ہی گھر میں برکت کا باعث ہوتی ہے۔

بیگم صاحبہ بھی آپ کے ساتھ اور آپ کی بیگم صاحبہ کے ساتھ غم میں برابر کی شریک ہے۔ اور اظہار افسوس کرتی ہے۔

-- • عزیزم مکرم صلاح الدین صاحب جو خاکسار کی ماموں زاد بہن کے بیٹے ہیں اور آج کل اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ میں مقیم ہیں، انہوں نے اپنے تعزیتی خط میں تحریر کیا۔

آج ربوہ سے چھوٹی بہن کا خط آیا کہ اباجی وفات پا گئے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں جن کو جماعت کی آخر دم تک خدمت کی توفیق ملی ہو اور خاکسار اباجی نے جیسے شاگرد پیدا کئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جس طرح مجھے اور ربانی کو اباجی نے انگریزی پڑھائی اور ہمارے ساتھ نہایت شفقت کا سلوک کیا ساری عمر یاد رہے گا۔ خاص کر اثر انگیز رنگ میں پڑھانے کا طریق ہمارے لئے مشعل راہ ہوگا۔ ان کے پیار سے پڑھانے کا انداز۔ انور اور راجی کا میرے ساتھ بیٹھ کر اباجی کی باتیں سننا، آج بھی یہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اباجی کو جنت الفردوس

میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین

آپا جی نے جس رنگ میں جماعت کی خدمت کی اور ان کے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں جو مقام حاصل ہے وہ ہم سب کے لئے قابل رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس طرح آپکو احسن طریق پر خدمت دین کی توفیق مل رہی ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی خدمت دین کی توفیق دے آمین

جس طرح آپ نے اور انور کی امی نے ہمیشہ ہی آپا جی کی خدمت کی ہمارے خاندان کے لئے یہ ایک بہترین نمونہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ہی سعادت مند بنائے۔ یہ تمام خوبیاں ہمارے خاندان میں چلتی رہیں آمین۔ اکثر آپا جی سے جب گول بازار میں ملاقات ہوتی تھی اور ان کا اپنے مخصوص انداز میں مجھے بلا کر حال پوچھنا کبھی نہیں بھول سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپا جی کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے آمین

-- مکرم چوہدری رشید احمد صاحب نے لنڈن سے تحریر فرمایا:

الفضل کے ذریعہ آپ کے والد بزرگوار محترم جناب ماسٹر عطا محمد صاحب کی افسوسناک وفات کی خبر پڑھی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن والدین کا وجود انسان کے لئے ہر حالت میں نفع مند وجود ہوتا ہے اور دعاؤں کا منبع اور رہبر آپ کے والد صاحب کو تو حضرت مسیح موعود کے اصحاب میں شامل ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کو نیز دیگر لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین

—• کوئٹہ سے محترم میاں بشیر احمد صاحب نے تحریر فرمایا:۔

مجلس مشاورت کے موقع پر مکرم و محترم حضرت مولانا عطا محمد صاحب کی وفات پر اس عاجز کو دیگر ہزاروں دوستوں کے ہمراہ جو اس موقعہ پر پاکستان کے مختلف مقامات اور غیر ممالک سے تشریف لائے ہوئے تھے نماز جنازہ پڑھنے کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے توفیق ملی اس بزرگ ہستی کی جدائی پر دلی صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مجھے حضرت مولانا صاحب سے تقریباً ۲۵ سال قبل شرف نیازمندی حاصل ہوا۔ جب یہ عاجز کوئٹہ میں بحیثیت امیر جماعت خدمات بجا لا رہا تھا۔ آپ ایک لمبے عرصہ تک کوئٹہ میں مقیم رہے۔ اور غیر ملکی طلباء کی درس و تدریس میں منہمک رہے۔ آپ کی علم دوستی اور جذبۂ خدمت قابل رشک تھا۔ اس عرصہ میں مجھے نہایت قریب سے آپ کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ آپ نہایت سادہ پُرخلوص اور سخت محنت کے عادی تھے۔ اور یہ اور دیگر خوبیاں آپ کی بہت نمایاں تھیں۔ آپ کو جاننے والے ان کی بناء پر آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام لواحقین اور حلقہ مداحین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کی خوبیاں رکھنے والے آپ کے قائم مقام جماعت میں پیدا فرمائے آمین ثم آمین

=• مکرم کمال یوسف صاحب نے سویڈن سے تحریر فرمایا:۔

الفضل سے آپ کے والد بزرگوار کی وفات کی خبر پڑھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ افسوس ہوا اللہ تعالٰی نے انہیں خدمتِ اسلام میں زندگی گزارنے کی توفیق دی۔ ان کی آواز سنکر زندگی کا احساس ہوتا تھا اور دیکھ کر بھی۔ ان میں بزرگوں والی بات تھی۔ مگر ساتھ ہی نوجوانوں سے ہم آہنگ تھے۔

خاکسار کی طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔ ابھی انشاء اللہ العزیز نماز جنازہ غائب ہوگی۔

—• مکرم نواب زادہ منصور احمد خان صاحب نے تحریر فرمایا:۔

الفضل کے ذریعہ آنجناب کے والد محترم کے انتقال کی خبر ملی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مکرم بزرگوار جامعہ میں گو صرف غیر ملکی طلباء کو پڑھاتے تھے۔ لیکن تمام ہی طلباء کے ایک رنگ میں استاد تھے اور سب ہی ان سے بے تکلف تھے۔

ان کی شخصیت سے ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا نہایت باقاعدہ تھے کبھی ان کو ناغہ کرتے نہیں دیکھا۔ اتنی عمر میں بھی جوانوں کے جوان تھے دوسری طرف بزرگی کا پلہ بھی بھاری تھا اس موقعہ پر میری دعا ہے کہ آپ سب کو اللہ تعالٰی نے صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے آمین۔

•۔ مربی سلسلہ مکرم شیخ محمد نعیم صاحب نے تحریر فرمایا:۔

"مرحوم سے میرا تعلق ۱۹۰۵ء سے ۱۹۷۶ء میں رہا جبکہ میں جامعہ کا طالب علم تھا اور ایک ہی گلی میں رہنے کی وجہ سے اکثر ان سے ملاقات ہوتی اور وہ میرے ساتھ سائیکل پر جامعہ جایا کرتے اور راستہ میں اپنی دعاؤں سے نوازتے رہتے۔ مرحوم کی وفات کا بہت صدمہ ہوا ہے۔ خدا تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنے قرب میں مرحوم کو جگہ دے اور جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کا حامی و ناصر ہو اور صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ میری اور اہلیہ صاحبہ کی طرف سے آپ کی اور سب اہل خانہ کی خدمت میں دلی تعزیت عرض ہے۔"

•۔ مکرم میجر سیّد سعید احمد صاحب نے لاہور چھاؤنی سے تحریر فرمایا:۔

"پشاور سے لوٹنے کے بعد الفضل میں آپ کے والد بزرگوار کے انتقال کا سُنکر افسوس ہُوا ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحُوم کو بلند درجات عطا فرمائے آمین۔ اور آپ سب کے لئے تدرون اور نیکیوں کے بدلے افضال اور خدمات کے بدلے رحمت سے نوازتا رہے۔ آمین۔

آپ کی خدمتِ سلسلہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے قابل قدر ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت یاب رکھے۔"

•۔ مکرم ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے سرگودہا سے تحریر فرمایا:۔

"اخبار الفضل سے آپ کے والد صاحب کے انتقال کی خبر پڑھی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنّت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو

صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ والد کا سایہ بہت رحمت والا ہوتا ہے کیونکہ اُن کے دل سے ہر وقت دُعائیں نکلتی رہتی ہیں۔"

○۔ مکرم محمد اسماعیل صاحب نے پیپلز کالونی فیصل آباد سے تحریر فرمایا:۔

"آپ کے بزرگ والد صاحب کی خبر رحلت اخبار میں پڑھی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ افسوس ہُوا کہ مَیں تو ان کی ملاقات کے لئے مناسب موقع کی انتظار میں تھا۔ آپ کے والد بزرگ صاحب خوش قسمت تھے کہ انجام بخیر ہُوا۔ اللہ کرے ان تک آپ کی دُعائیں پہنچتی رہیں اور اُن کی دعاؤں کی وجہ سے جو خلا آپ کے لئے پیدا ہُوا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے اسے پُورا فرمائے آمین۔ میری ہمدردی اور دُعا آپ کے ساتھ ہے۔

○۔ محترمہ ڈاکٹر آصفہ نعیم صاحبہ نے کراچی سے تحریر فرمایا:۔

"دو تین دن ہوئے مسعود سے معلوم ہُوا کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل۔ والدین کتنے ہی بوڑھے ہو جائیں مگر اُن کی جدائی ایک خلاء پیدا کر دیتی ہے خصوصًا دعاؤں کے حق میں۔ محترمہ بھابھی صاحبہ نے تو بہت ہی خدمت کی ہے جس کا اجر انہیں اُس دُنیا میں ہی مل جائے گا۔"

○۔ مکرم مبشر احمد صاحب ایم ایس سی لیکچرار کبیر والہ ضلع ملتان نے تحریر فرمایا:۔

"الفضل کے ذریعہ یہ معلوم کر کے افسوس ہُوا کہ آپ کے والد محترم ماسٹر

عطاء محمد صاحب وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور اچھی مغفرت کرے۔ اور آپ کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

خاکسار کا آپ کے والد سے کوئی ذاتی تعلق نہ تھا لیکن خاکسار جب دوران تعلیم تحقیقات (THESIS) معجزات الانبیاء پر تحقیق کر رہا تھا تو سیرت النبیؐ پر سید سلیمان ندوی صاحب کی کتابیں مطالعہ کر چکا تھا۔ اس دوران آپ کے والد محترم کی کتاب سید سلیمان ندوی سے میری خط و کتابت نظر سے گزری تو دل خوشی سے اچھل اٹھا۔ ابھی یہ تحقیق جاری تھی کہ مجھے یونیورسٹی آگے پڑھنے کے لئے جانا پڑا۔

•۔ مکرم مولانا مقبول احمد صاحب ذبیح امیر و مبلغ انچارج تنزانیہ نے تحریر فرمایا:۔

"کل شام الفضل کے ذریعہ آپ کے والد صاحب کی وفات کی افسوسناک خبر پڑھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بزرگ مرحوم کی وفات پر دلی صدمہ ہوا۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور درجات بلند کرے اور اپنے قرب خاص میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ محترم ماسٹر صاحب مرحوم نے غیر ملکی طلباء کو پڑھا کر دنیا کے کونے کونے تک شہرت پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے شاگردان رشید کو بھی ان کی دعاؤں کا وارث بنائے آمین۔ عاجز کی طرف سے محترم بزرگ مرحوم کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرمائیں"

○ - مکرم مولانا صدیق احمد صاحب منوّر امیر و مبلغ انچارج ماریشس نے تحریر فرمایا:-

"کل ہی بذریعہ الفضل استاذی المکرم المشفق آپ کے عزت مآب والد صاحب محترم کی وفات کا علم ہوا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ مرحوم کے شاگردوں میں اس کو بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ ان کی وفات سے ہم سب اور آنمکرم خصوصیت سے اُن کی دُعاؤں سے محروم ہو گئے ہیں۔ خاکسار آپ کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ ربّ کریم مرحوم کو جنّت میں عظیم مقام عطا فرمائے۔ جب مَیں جامعہ کی آخری کلاس میں تھا تو مجھے اکثر کہتے "تو ضرور اُڑیں گا"۔ کہ مَیں ضرور باہر کے ملکوں میں تبلیغ کے فریضہ کو ادا کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ ان کی بات پُوری ہو گئی۔"

○ - مکرم مبارک احمد ساقی صاحب نے لندن سے تحریر فرمایا:-

"مولوی محمد صدیق صاحب شاہد کل یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اُن کے ذریعہ آپ کے والد بزرگوار کی وفات کا علم ہوا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا کرے۔ اس دفعہ جلسہ سالانہ پر جب مَیں پاکستان گیا تو ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اَب پتہ چلا ہے کہ آخری عمر میں اغلباً وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ اور اس طرح سے آپ کی اہلیہ محترمہ کو ایک لمبا عرصہ ان کی خدمت کا موقع ملا۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔

مکرم چوہدری صادق علی صاحب جو والد مرحوم کے نہایت پیارے دوست

۰- چوہدری رحیم بخش صاحب آف شیخوپورہ کے داماد ہیں نے تحریر فرمایا:-

"نہایت کرب اور دُکھ کے ساتھ بزرگوارم ماسٹر صاحب کی وفات کی خبر پڑھی۔ رشیدہ کی شادی پر شیخوپورہ میں اُن کی دو دن کی رفاقت میری انتہائی خوشگوار یادوں میں سے ایک ہے جو پیار شفقت اور خلوص آپ کی ذات میں تھا بہت کم وجودوں میں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمتیں نازل کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اور دیگر پسماندگان کا حافظ و ناصر ہو اور ان کے اخلاص کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ میری اہلیہ اور بچے اس صدمہ کے غم میں آپ لوگوں کے برابر کے شریک ہیں۔"

۰- مکرم مولانا سید اعجاز احمد صاحب نے بنگلہ دیش سے تحریر فرمایا:-

"اخبار الفضل میں آپ کے والد بزرگوار کی وفات کی خبر پڑھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ہم سب آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ مرحوم کے حسنِ اخلاق اور اُن کی شرافت کا میرے دل پر گہرا اثر ہے۔

۰- مکرم مولوی عطا محمد صاحب (صحابی) جو اُن دنوں کراچی میں مقیم تھے نے کراچی سے تحریر فرمایا:-

"ہمارے ساتھی صحابی اور آپ کے والد بزرگوار ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات کی خبر الفضل میں پڑھ کر افسوس ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے خوش مزاج اور شگفتہ طبیعت کے مالک تھے۔ ہمیشہ ہنس کر ملاقات کرتے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

٥۔ محترم بریگیڈئیر اقبال احمد صاحب شمیم سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن اور مکرم مولانا سلطان محمود صاحب انور سیکرٹری مجلس کارپرداز نے اپنے اپنے ادارے کی طرف سے تعزیت کا اظہار فرمایا۔

٥۔ مکرم مولوی عبدالوہاب صاحب آدم امیر و مبلغ احمدیہ جماعت غانا نے جو تعزیتی خط تحریر فرمایا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"حضرت ماسٹر عطاء محمد صاحب کی وفات کی خبر سے مجھے انتہائی دلی صدمہ ہوا ہے۔ میں آج جتنی بھی اردو زبان جانتا ہوں یہ سب اُنہی کی وجہ سے ہے اُن سے تعلیم حاصل کرنے کے نتیجہ میں میں حضرت مسیح موعودؑ حضور کے خلفائے کرام اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے علماء کی تحریروں کو بغیر کسی کی مدد کے پڑھ سکتا ہوں اور اُنہیں پُوری طرح سمجھ سکتا ہوں۔

آپ کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل طلباء شامل ہیں۔ عبدالشکور کنزے اور خالد دتلف (جرمنی)۔ عبدالشکور ریش اور رشید احمد (امریکہ) شیخ امری عبیدی اور یوسف کامبولایا (تنزانیہ)۔ عثمان چو اور ابراہیم ما (چین)۔ صالح شیبی اور محی الدین (انڈونیشیا)۔ حنیف یعقوب (ٹرینیڈاڈ)۔ سلیم جابی (شام) اُسامہ (فلیپائن)۔ ابوبکر (سوڈان)۔ محمود شبوطی (عدان جسے اب جنوبی یمن کہتے ہیں)۔ ابوبکر اور سعید (صومالیہ)۔ عارف نعیم (ترکی)۔ اسماعیل (برما) بشیر بن صالح اور عبدالوہاب آدم (غانا)

یہ فہرست مکمل تو نہیں ہے لیکن یقیناً اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب نہایت صبر و استقلال شگفتگی اور محبت سے مختلف ممالک

کے طلباء کو پڑھاتے تھے۔ ایک لمبے عرصے تک بیرونی ممالک کے طلباء کو اُردو زبان کی تعلیم دیتے رہنے سے آپ نے ایک بے مثل طریق اختیار کر لیا ہُوا تھا جس کی وجہ سے اُردو زبان کا پڑھنا آسان اور خوشگوار ہو گیا تھا۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی تھے۔ اور ایک بہت بڑے احمدی مسلمان ماہر تعلیم۔ اس لئے آپ کی وفات نہ صرف آپ پسماندگان کے لئے بلکہ ساری جماعت کے لئے ایک صدمہ ہے۔ میری طرف سے اور غانا کی احمدیہ جماعت کی طرف سے دلی جذباتِ تعزیت قبول فرمائیں۔ ہم سب اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ پسماندگان کو اس صدمہ کی برداشت کی توفیق عطاء فرمائے۔"

۵۔ مکرم علی اشولا یوسف صاحب سیکرٹری جنرل احمدیہ جماعت نائیجیریا نے اپنے تعزیتی خط میں تحریر فرمایا:۔

"مئی ۱۹۸۳ء کے تحریک جدید کے شمارے میں یہ خبر پڑھ کر کہ حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب ترانوے سال کی عمر میں وفات پا گئے ہیں۔ دل کو بہت صدمہ ہُوا انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھنے والوں کا خیال کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک بہت بڑا جسمانی اور روحانی نقصان ہے۔ مہربانی فرما کر میرے اظہارِ تعزیت کو قبول فرمائیں۔ میرے اہلِ خانہ بھی آپ سے تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب پسماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ مہربانی فرما کر اپنے خاندان کے تمام افراد سے میری طرف سے تعزیت کیجئے۔ آپ کا بہت پیارا بھائی"

۵۔ مکرم نسیم مہدی صاحب مبلغ انچارج سوئٹزرلینڈ نے جو تفصیلی خط تحریر فرمایا اس کا متن ذیل میں درج ہے:-

"زیورک ۔ ۳۰ رمئی ۱۹۸۳ء

بخدمت حضرت مولانا سیفی صاحب سلّمکم اللہ تعالیٰ ۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اللہ کرے آپ مع الخیر ہوں، حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات کا گو مجھے کافی پہلے علم ہو گیا تھا۔ خیال تھا انشاء اللہ جلد ربوہ میں بالمشافہ آپ سے ملاقات ہوگی تو تعزیت کے لئے اپنے جذبات عرض کردوں گا ایک تو ابھی مکرم منصور احمد صاحب خان کے ویزہ میں تاخیر ہو رہی ہے۔ دوسرے خاکسار کو فی الحال کچھ عرصہ کے لئے فرانکفرٹ جانے کا ارشاد ہوا ہے معلوم نہیں کتنا وقت لگ جائے۔ اب سوچا چند سطور آپ کی خدمت میں عرض کردوں۔

گو بچپن سے ہی حضرت ماسٹر صاحب سے واقفیت اور تعارف تھا۔ لیکن خاکسار کے ساتھ آپ کا مشفقانہ سلوک جامعہ کی تعلیم کے زمانہ میں شروع ہوا جو آخر وقت تک قائم رہا۔ یہاں اُن کی طرف سے بعض خطوط بھی آتے رہے۔ جامعہ کے کئی طلبہ کی طرف سے خاکسار کو جب خط آتے تو حضرت ماسٹر صاحب سلام و دُعا ضرور لکھواتے۔

خاکسار نے جامعہ کی تعلیم کے دوران کئی مرتبہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کر کے بہت سے واقعات ان کی زبانی محض اس وجہ سے سُنے کہ ہم بھی "تابعین" میں شامل ہو سکیں۔ نیز ان بزرگان کی دعاؤں سے حصّہ پا سکیں۔ حضرت ماسٹر صاحب کے ساتھ ایک تو محلّہ میں پانچ مرتبہ

مسجد نصرت میں ملاقات ہوتی (موسم خواہ کیسا ہی ہوتا آپ نماز باجماعت کی پوری پابندی فرماتے۔ اکثر ایسے ہوتا کہ مسجد سے نکل کر گھر تک خاکسار ساتھ ہوتا، اور مستفیض ہوتا۔) دوسرے جامعہ میں بھی تقریباً روزانہ ہی ملاقات کا موقع پیدا ہو جاتا۔ خاکسار نے حضرت ماسٹر صاحب سے کئی دفعہ یہ واقعہ سُنا کہ آپ نے کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دیدار کیا۔ فرمایا کرتے تھے حضرت صاحب علیہ السلام اپنے کمرہ میں تصنیف کا کام فرما رہے تھے۔ کمرے کی دونوں دیواروں میں سیاہی کی دوات پڑی تھی۔ حضور چلتے چلتے تحریر فرماتے تھے۔ جب سیاہی ختم ہو جاتی تو ایک دیوار سے قلم سیاہی میں ڈبوتے اور پھر چلتے ہوئے تحریر فرماتے۔ حضور اُس وقت تنگ چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔ اور اتفاق سے ایک پنڈلی پر سے وہ اُوپر اُٹھا ہُوا تھا۔ حضرت ماسٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ گو مَیں چھوٹا تھا مگر حضورؑ کا نورانی خوبصورت چہرہ اَب تک میرے سامنے ہے۔

کانگڑہ کے زلزلہ کے بارہ میں بڑی تفصیل سے بتایا کرتے تھے کہ مَیں اس کا عینی شاہد ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی کا گواہ ہوں۔ ۱۹۷۱ء میں خاکسار وقفِ عارضی کے لئے ایبٹ آباد گیا تو حضرت ماسٹر صاحب پہلے سے ہی مسجد احمدیہ ایبٹ آباد میں فروکش تھے اور گرمیاں گذارنے آئے ہوئے تھے۔ اس موقع پر آپ کو قریب سے دیکھنے اور آپ کی دلچسپ مجلس میں گھنٹوں بیٹھنے کا موقع ملتا رہا۔ اُس وقت کے بہت سے واقعات اس وقت یاد آرہے ہیں۔ مگر صرف ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ایبٹ آباد کے

پاس ایک کافی اونچی پہاڑی پر بہت سے لوگ سیر کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ اس کا راستہ تنگ اور دشوار گذار تھا، حضرت ماسٹر صاحب نے ایک دن میرے ساتھ اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ مَیں وہاں جانا چاہتا تھا، مَیں نے اس خیال سے کہ آپ شاید اتنی عمر میں یہ دشوار گذار راستہ نہ طے کر سکیں۔ عرض کیا کہ راستہ مشکل ہے آپ وہاں نہ تشریف لے جائیں۔ آپ کی طبیعت میں بڑی غیرت تھی۔ لجاجت تو آپ نے کبھی کسی کے سامنے نہ کی تھی۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ مَیں یہی سمجھا کہ آپ نے راستے کی مشکل کی وجہ سے یہ پروگرام منسوخ کر دیا ہے۔ ایک دن بعد نماز جمعہ خاکسار بعض دوسرے دوستوں کے ساتھ اس سیر گاہ میں پہنچ گیا۔ وہاں جا کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بہت سے پتھروں پر چاک سے اور درختوں پر چاقو سے "احمدیت زندہ باد" از خاکسار ماسٹر عطا محمد لکھا ہوا تھا۔ واپس آکر مَیں نے ماسٹر صاحب رضؓ سے معافی مانگی اور ہمت کی داد دی تو پیار سے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگے "تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ کیا اللہ نے مجھے دو ٹانگیں نہیں دیں کہ مَیں وہاں اکیلا چلا جاتا۔"

اس واقعہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ ہماری ایک ہائیکنگ پارٹی کو وادی کاغان میں پیش آیا۔ ہائیکنگ پارٹی کے ساتھ حضرت ماسٹر صاحب بھی تشریف لے گئے تھے۔ ایک پڑاؤ پر رات کو فیصلہ ہوا کہ کل جھیل سیف الملوک تک چونکہ راستہ دشوار گذار ہے اس لئے مکرم ماسٹر صاحب یہیں آرام فرمائیں اور باقی طلبہ جھیل کی سیر کے بعد رات کو واپس آئیں۔ اگلے روز جب طلبہ جھیل سیف الملوک پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران ہی نہیں بلکہ پریشان ہو گئے کہ حضرت ماسٹر صاحب وہاں پہلے

سے موجود تھے۔ پتہ چلا کہ نمازِ فجر کے بعد جب سب لوگ ناشتے اور دیگر تیاریوں میں مصروف تھے ماسٹر صاحب سیف الملوک کے لئے اکیلے ہی چل پڑے اور طلبہ سے پہلے پہنچ گئے۔

میں نے کئی مرتبہ آپ کی کلاس میں بیٹھ کر غیر ملکی طلبہ کو اُردو پڑھاتے ہوئے آپ کو دیکھا ہے۔ آپ کا طرزِ تعلیم بہت کامیاب، دل نشین اور بہترین تھا۔ حضرت سیّد میر داؤد احمد مرحوم پرنسپل آپ کے بڑے مدّاح تھے۔

بہت سی باتیں اس وقت ذہن میں آنی شروع ہوگئی ہیں۔ خط ایک مضمون کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ میرے ساتھ ان کا تعلق اتنا گہرا تھا اور اتنی شفقت فرماتے تھے کہ ان کی وفات کا صدمہ میرے لئے آپ سے کیا کم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضرت ماسٹر صاحب کو جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خاکسار جب زیورک آیا تو بعد میں مجھے پیغام بھجوایا کہ میں نے ایک رؤیا دیکھی ہے۔ تمہارے ہاں بیٹا ہوگا۔ چنانچہ جب اس کے بعد ہمارا بیٹا احمد پیدا ہوا تو خاکسار نے اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں لکھا کہ حضرت ماسٹر صاحب کی خدمت میں خاص طور پر مٹھائی بھجوائیں اور ان سے دعا کی درخواست کریں۔"

۵۔ مکرم قاضی محمد اسحاق صاحب بسمل ناظم انصار اللہ ضلع ملتان لکھتے ہیں:۔

"۱۵ اپریل کے "الفضل" میں آنمکرم کے والد ماجد مکرم و محترم ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھی اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

کہکشان احمدیت کا ایک اور ستارہ ٹوٹا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت بے پایاں سے اس خلاء کو پُورا فرماوے اور مرحوم کو اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم اور سیّدنا مسیح موعود علیہ السّلام کے قرب میں مقام علیین عطا فرماوے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ اور پس ماندگان کو ہمیشہ اُن کی دُعاؤں کے حصار میں رکھے اور ان کی دُعائیں ان کی ساری اولاد کے سروں پر حفاظت کا آسمان بن جائیں آمین۔

خاکسار اور اہل خانہ پُرخلوص جذباتِ تعزّیت کے ساتھ آپ سب کے ساتھ شریکِ غم ہیں۔"

٭۔ اسی طرح مکرم مولانا نصراللہ خانصاحب ناصر مربی سلسلہ احمدیہ نے جن جذبات کا اظہار فرمایا وہ اُن کی اپنی تحریر میں درج ذیل ہیں:۔

"محترم ماسٹر عطا محمد صاحب استاذ الجامعہ کی یادوں کے انمٹ نقوش اس عاجز کے دل پر بھی ثبت ہیں۔ مادرِ علمی کی فضا ایک بزرگ علمی ادبی شخصیت سے محروم ہو گئی ہے۔ جن کی گفتگو میں شیرینی اور مزاح کا عنصر غالب تھا، بات کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ پھول بکھر رہے ہیں۔ علمی اور ادبی اغنیاء سے نہایت دقیق النّظر تھے۔

مجھے اس بزرگ شخصیت سے ۱۹۵۸ء سے تعارف ہوا۔ عرصہ ۲۴ و ۲۵ سال میں کبھی ایک بار بھی چہرے پر غصّے کا اظہار نہ پایا۔ ہمیشہ مسکراتا چہرہ دیکھنے میں آیا۔

آپ اگرچہ زیادہ تر غیر مُلکی طلباء کو پڑھاتے تھے۔ تاہم کبھی کبھی ہمیں

بھی شرف تلمذ حاصل ہؤا۔ اور یہ عاجز بسا اوقات الفاظ کے استعمال کی حکمت کے بارہ میں دریافت کرتا تو بڑا حکیمانہ اور مدلّل جواب ملتا۔

ایک بزرگ استاد کی حیثیت سے ہر استاد اور طالب علم کے دل میں آپ کا بڑا احترام تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے محبوب استاد حضرت سیّد میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیّہ آپ کا بڑا احترام کرتے اور موصوف آپ کی ہر تلخ و شیریں بشاشت سے سُنتے اور مسکراتے ہوئے رخصت کرتے۔

ایک دفعہ شدید سردیوں میں میر صاحب نے ہدایت کی کہ اوقاتِ تدریس میں طلباء و استاد دھوپ میں نہ بیٹھیں۔ محترم ماسٹر صاحب کو جب اس ہدایت کا علم ہؤا۔ تو میر صاحب کے پاس جاکر مخصوص پنجابی میں جاکر کہا جس کا مفہوم یہ تھا کہ یا تو ہمارے کمرے بھی اپنے دفتر کی طرح گرم کر دیں یا پھر پابندی ختم کریں۔

بزرگ استاد کی یادوں سے وابستہ یہ چند سطور رقم ہیں۔ ان یادوں کے یہ انمٹ نقوش مرحوم کی شخصیت کو ممتاز کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ماضی کے ایام کو یاد کرکے دل میں انبساط و شادمانی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ غریقِ رحمت کرے۔ اور رفع درجات فرمائے بہت خوبیوں کے مالک تھے۔

۵۔ برادرم مکرم مولوی خلیل احمد صاحب مبلّغ سلسلہ نے سیرالیون سے تحریر فرمایا:

"والد محترم ماسٹر عطا محمد صاحبؓ کی وفات حسرت آیات کا علم ہؤا۔ جس سے بہت دکھ اور صدمہ ہؤا۔ اس دُنیا میں جو بھی آیا۔ آخر ایک دن اُس

نے دُنیا تو چھوڑنی ہی ہے مگر بعض ہستیوں کی وفات پر قدرتی طور پر صدمہ اور دُکھ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان کے جانے سے اہلِ خاندان کے علاوہ دیگر احباب اور جماعت میں بھی ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ جسے پُر کرنا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

ماسٹر صاحب بھی ان مبارک ہستیوں میں سے ایک تھے۔ آپ کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل تھی۔ اس لئے آپ ہم سب کے لئے ایک نشان سے کم نہ تھے۔ حضور علیہ السلام کی برکت سے آپ کو دعاؤں کی قبولیت اور رؤیا و کشوف کی برکت مل تھی۔ اس لحاظ سے آپ کی وفات جماعتی نقصان بھی ہے۔

خاکسار بھی کئی بار ملا اور دعاؤں کی درخواست کی۔ اور آپ کی دعائیں حاصل کرنے کی توفیق ملی۔ اَب ہم ان کی دُعاؤں سے محروم ہو گئے ہیں۔ آپ سب کے لئے بھی یہ ایک عظیم صدمہ اور ناقابل برداشت غم ہے۔ اللہ تعالےٰ سے ہی عاجزانہ دُعا ہے۔ اللہ تعالیٰ محترم ماسٹر صاحب کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل سے نوازے۔ آپ سب کا اپنے فضل و کرم سے حامی و ناصر اور معین و مددگار ہو۔ آمین اللّٰہم آمین)۔

براہِ کرم مجھے اور میری اہلیہ کو اپنے غم میں برابر کا شریک سمجھیں اور ہماری تعزیت جُملہ افرادِ خاندان تک پہنچا کر ممنون فرمائیں۔"

٭۔ غانا سے محترم الحاج حسن عطاء صاحب ایم۔ پی۔ ای صدر احمدیہ جماعت اشانٹی ریجن نے تحریر فرمایا۔

"تحریک جدید کا مئی کا شمارہ آج ہی ملا۔ اس شمارے سے آپ کے والد محترم حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ مہربانی فرما کر میری طرف سے اپنے خاندان کے جملہ افراد اور جماعت کے دوستوں سے تعزیت کردیں۔"

٭۔ مکرم مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب امیر و مبلغ انچارج امریکہ نے تحریر فرمایا:۔

"آپ کے والد صاحب بزرگوار کی وفات حسرت آیات کا بہت دکھ اور رنج ہوا۔ ان کی وفات سے جماعت ایک قابل استاد ایک مخلص خادم دین اور آپ ایک دعا گو مشفق والد سے محروم ہو گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالےٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علّیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کو اور دیگر اعزہ و اقربا کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی وفات سے جماعت میں جو خلاء واقع ہوا ہے اس کو اپنے فضل سے پُر فرمائے۔ آپ خاکسار کی طرف سے اس صدمہ عظیم پر دلی تعزیت قبول فرمائیں اور اپنے اعزّہ و اقربا تک بھی پہنچا دیں جزاکم اللہ تعالیٰ۔ آخر میں آپ سے دعا کی درخواست ہے۔ والسلام عطاء اللہ کلیم۔"

٭۔ برادرم مکرم عبدالشکور صاحب ریڈیو الیکٹرک سنٹر ملتان چھاؤنی نے تحریر فرمایا:۔

"انصار اللہ" میں یہ اندوہ ناک خبر پڑھی کہ میرے نہایت ہی شفیق ہنس مکھ، علم دوست بزرگ۔ جنہیں میرا دل چاہتا ہے کہ پیارا دوست بھی لکھوں۔ رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

گذشتہ چھ ہفتے قریباً سفر میں ہی گذرے۔ لیکن جہاں بھی ہوں "الفضل" ضرور دیکھتا ہوں۔ لیکن یہ المناک خبر نگاہوں سے اوجھل رہی۔

بفضلہٖ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب نے ۹۳ برس کی طویل عمر پائی۔ بزرگوں کی وفات پر تعزیت میں بھی ایک طرح سیری کا پہلو ہوتا ہے جسے پنجابی میں "کھا ہنڈا گیا" سے ظاہر کرتے ہیں۔ کیا باغ و بہار طبیعت پائی تھی۔ انسان کے ذہن سے غم اور تفکرات یوں نوچ کے پھینک دیتے تھے کہ انسان اپنے اندر زندگی کی لہر محسوس کرنے لگتا تھا۔ ایسے سدا بہار وجود کی رحلت عظیم سانحہ ہے۔

عزیزم محمد اسلم خالد (میرے خالہ زاد بھائی) نے انگلستان سے لکھا:

مکرم و محترم خالو جی کی افسوسناک وفات کی خبر سے دل مغموم ہو گئے۔ خدا تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے مرحوم و مغفور خوش قسمت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیوں کو قبولیت بخشی اور بہشتی مقبرہ میں پھر قطعہ صحابہ میں جگہ پائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے نماز جنازہ پڑھائی۔ انسان کا انجام اچھا ہونا ہی کامیابی ہے جو مکرم خالو جی کو اللہ تعالیٰ

کے فضل سے نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ ہی اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹے رکھے اور ہر آن درجات بلند کرتا چلا جائے. آمین۔

اس جہان میں میرے خیال میں ہر انسان ایک دوسرے کو سبق دے رہا ہے یا لے رہا ہے۔ میں نے جو سبق لیا وہ یہ ہے کہ آپ نے اور بھابی نیز بچوں نے مکرم خالو جی کی جس انداز میں خدمت کی میرے سامنے اس کی اور مثال موجود نہیں. خدا تعالیٰ نے آپ کو خدمت کا موقع دیا اور آپ نے خوب خوب نبھایا. خدا تعالیٰ آپ کو اپنے وعدہ کے مطابق اجر دے اور مجھے بھی صحیح رنگ میں والدین کی مقبول خدمت کی توفیق دے آمین۔

خالو جی کی وفات کی خبر سے امی کی طبیعت پر کافی اثر تھا۔

• حضرت مولانا مولوی ابو البشارت عبد الغفور صاحب مرحوم و مغفور مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ خاکسار کے ماموں تھے. اُن کے بیٹے عزیزم مکرم بشارت احمد صاحب نے امریکہ سے تحریر کیا:۔

"الفضل میں اچانک آپ کے والدِ بزرگوار حضرت چچا جان عطاء محمد صاحب کی وفات کی خبر نظر سے گذری بے حد صدمہ ہوا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون. مرحوم گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے اور پوری زندگی نیک مقاصد میں گذاری۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے. آمین۔ ہم سب عزیزان آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں. ہم سب کی طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔

۰- گوساؤ، نائیجیریا سے میری ماموں زاد بہن عزیزہ امۃ الرشید نے لکھا:-

"گھر سے خط آیا جس میں محترم پھوپھا جان کی وفات کی خبر تھی۔ اُن کی طویل علالت کے باعث دھیان تو رہتا تھا۔ پھر بھی اس خبر نے بہت متأثر کیا۔ اپنے اباجی مرحوم کو خواب میں دیکھا۔ آپ کی اس وقت کی دلی کیفیت کا اندازہ ہے۔ جبکہ آپ دونوں خود بھی علیل تھے۔ خدا تعالےٰ نے آپ دونوں کو ان کی خدمت کا خوب موقع عطا فرمایا۔ بھابھی جان محترمہ کی گونا گوں مصروفیات اور پھر اکیلے سب سے نپٹنا آنکھوں کے سامنے ہے۔ عزیزہ اجّی نے بھی حق خدمت خوب ادا کیا۔ خدا تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

مجھے۔ بی۔ ٹی کے لئے لاہور بھیجنا میرے اباجی کے لئے بے حد مشکل کام تھا۔ محترم پھوپھا جان مرحوم نے انہیں آمادہ کیا۔ اس طرح ہمارے گھر میں تعلیم کا ایک نیا باب کھلا۔ تعلیم کی خدمت جو انہوں نے کی، تاریخ ساز ہے۔ خدا تعالےٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین۔"

عزیزم مکرم مولوی عبد الباسط صاحب مبلغ انچارج زمبیا (جو میرے ماموں زاد بھائی ہیں) نے تحریر کیا:-

"اخبار الفضل کے ذریعہ یہ معلوم کر کے کہ ہمارے بزرگ پھوپھا جان عالم جاودانی کو سدھار گئے ہیں ایک دھچکا سا لگا۔ پھوپھا جان مرحوم نے بھر پور زندگی گزاری۔ منفرد قسم کی خدمت دین کا بھی وافر حصّہ پایا۔ ابا جان سے محبت کرنے کی وجہ سے میرے ساتھ بھی ہمیشہ ہی ترجیحی سلوک رکھا۔ اپنے

اصولوں اور وضع پر سختی سے قائم رہنے کی مثال چھوڑ گئے۔ اللہ اپنے فضل سے ستاری و مغفرت سے نوازے آمین"

٥۔ عزیزم مکرم نصیر احمد شریف (ابن محترم مولانا محمد شریف صاحب مبلغ بلاد عربیہ و گیمبیا) نے اپنے تعزیتی خط میں ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا کہ اس میں کیا شک ہے کہ مرحوم اپنی خدماتِ جلیلہ خاص طور پر تعلیم کے میدان میں، کے لئے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

٥۔ عزیزہ مکرمہ امۃ الباری صاحبہ ایم۔اے (خاکسار کی ماموں زاد بہن) نے کراچی سے لکھا کہ جب میں زیرِ تعلیم تھی اور آپ ابھی بیرونِ ملک تھے تو پھوپھا جان محترم بہت شفقت سے ملتے اور اکثر تعلیمی مسائل پر گفتگو فرماتے۔ امی جان مرحومہ اور ابا جان مرحوم سے بہت محبت کا سلوک فرماتے۔ آج ہمارے ساتھ اُن کی معنوی اولاد جو نہ جانے کس تعداد میں ہوگی۔ اُن کے لئے مغفرت کی دُعا کر رہی ہوگی۔

مکرم ستار طاہر صاحب (جو ایک معروف صحافی ہیں)۔ پروفیسر اکبر حمیدی صاحب جو نوجوان نسل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ مکرم اظہر جاوید صاحب (ماہنامہ تخلیق کے مدیر) اور مکرم عبدالکریم قُدسی صاحب جو اردو اور پنجابی کے شاعروں میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور یعقوب امجد صاحب (احمدیہ جماعت کے ادیبوں میں خاصے معروف اور ادب پر تنقید کا اچھا ملکہ رکھنے والے)۔ ان سب دوستوں نے بھی تعزیتی خطوط سے میرے ساتھ اور میرے اہل خانہ کے ساتھ خاص ہمدردی کا اظہار کیا۔

اسی طرح محترم محمد شفیع (م۔ش) صاحب جو بلا شبہ صحافت میں سب سے زیادہ نمایاں نام اور کام کے مالک ہیں اور اس وقت فیڈرل کونسل کے معزز رکن ہیں نے بھی تعزیت سے ہمارے صدمے میں شرکت کا اظہار فرمایا۔

روزنامہ الفضل کے پانچ اپریل ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں اباجی کی وفات کی خبر مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوئی:۔

محترم ماسٹر عطا محمد صاحب وفات پا گئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

محترم نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ حال وکیل التصنیف تحریک جدید کے والد محترم ماسٹر عطا محمد صاحب ۲۸ ؍ اور ۲۹ ؍ مارچ کی درمیانی شب دس بج کر بیس منٹ پر وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۳ سال تھی۔ مکیریاں ضلع ہوشیارپور میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب میں شامل ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ گورنمنٹ سروس سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ احمدیہ میں ۱۹۸۱ء تک پڑھاتے رہے۔ ۳۰ ؍ مارچ ۱۹۸۳ء کو بعد نماز عصر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ازراہِ شفقت مسجد مبارک میں جنازہ پڑھایا۔ جس کے بعد بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے قرب

میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور جملہ لواحقین کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے آمین۔

۵۔ مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف مدیر ماہنامہ انصار اللہ نے انصار اللہ کے جون ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں ادارتی نوٹ میں تحریر فرمایا:

"جامعہ احمدیہ کے فرض شناس استاذ —— ماسٹر عطا محمد صاحب

عمرِ عزیز کی ترانوے بہاریں دیکھنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی جامعہ کے استاد میرے بزرگ دوست ہم سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ پچپن برس کی عمر میں ریٹائر ہونے کے بعد قریبًا تینتیس ۳۳ سال تک آپ نے جامعہ میں بطور استاذ خدمات سرانجام دیں۔

ہماری عمروں کا تفاوت بہت تھا لیکن ایک ہی کشتی میں سوار ہونے کے باعث یہ بُعد کم ہوتا چلا گیا۔ اور نہ صرف یہ کہ وہ ہمارے بزرگ تھے بلکہ ایک دوست کی حیثیت سے انہوں نے طبیعت پر انمٹ یادیں چھوڑیں۔

وہ سلسلہ کے مخلص فدائی تھے۔ اہلِ علم اور اہلِ قلم تھے۔ سلیمان ندوی سے اُن کے تبلیغی خطوط زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ وہ ایک با اصول شخصیت تھے۔ کسی جائز کام کے لئے رشوت دینا گناہ سمجھتے تھے۔ کفایت شعار تھے۔ لیکن ہزاروں ہزار روپیہ بیک وقت سلسلہ کے مختلف کاموں کے لئے متعدد بار دیا۔

مجھ سے اُن کے تعلقات دوستانہ رنگ کے بھی تھے۔ اور اسے ہمارے

خاندان کے بزرگ بھی جانتے تھے۔ اگر کوئی بات انہیں کہلوانی ہوتی تو بسا اوقات مجھے کہتے تم ان سے یہ کہو۔ ایک بار سیّد داؤد احمد صاحب پرنسپل کو جامعہ کی کسی تعمیر کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ مجھے کہنے لگے تم ماسٹر صاحب کو تحریک کرو۔ مَیں نے عرض کی وہ آپ کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ آپ انہیں کہیں۔ آخر بات یہاں پر ختم ہوئی کہ وہ خط لکھ دیں اور مَیں لے جاؤں اور تحریک کروں۔ چنانچہ جتنی رقم کا میر صاحب نے مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے دے دی۔ مسجد مہدی کے لئے بھی انہوں نے یکمشت ایک بڑی رقم دی تھی۔ ایسی مثالیں احمدیت میں ہی ملتی ہیں کہ خود چند روپوں میں گذارہ کرنے والے اشاعتِ اسلام اور راہِ خدا میں ہزاروں ہزار بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے اُن کے ہاتھ کھلے ہیں۔

مرحوم استاذ کی ایک بڑی خُوبی فرض شناسی اور وقت کی پابندی تھی۔ وہ جامعہ کے سب سے بڑی عمر رکھنے والے استاذ تھے۔ لیکن سب سے زیادہ وقت کی پابندی وہ کرتے تھے۔ اور جب تک وہ چلنے پھرنے سے معذور نہیں ہو گئے وہ اپنے فرض کو ادا کرتے ہی رہے۔ وہ وقت سے ہی پہلے جامعہ آتے اور ہر پیریڈ پابندی سے لیتے۔ صحتِ تلفّظ اور زبان کا انہیں بہت خیال رہتا۔ میری غلطیوں کی نشاندہی فرماتے اور کبھی ڈانٹ کر بھی کہتے۔

مرحوم رفیقِ کار کی ایک بڑی خُوبی جس کا مجھ سے کچھ زیادہ ہی تعلق تھا۔ اُن کی زندہ دلی تھی۔ وہ جب مجلس میں بیٹھتے مجلس باغ و بہار ہو جاتی۔ نہایت عُمدہ اشعار انہیں نوک بر زبان تھے۔ کبھی قرۃ العین کے شعر سناتے۔ کبھی کسی

دوسرے اعلیٰ پایہ شاعر کا کلام ترنّم سے پڑھتے۔

طبّ یونانی سے بھی انہیں شغف تھا۔ خود دوائیاں تیار کرتے اور اس کا ذکر اذکار کرتے رہے۔ کانگڑہ کے زلزلہ کے وہ چشم دید گواہ تھے۔ اس کی تفصیل بیان فرمایا کرتے تھے کہ کس طرح وہاں تباہی ہوئی اور وہ اور اُن کے بزرگ چچا وزیرالدین صاحب محفوظ رہے۔

جامعہ کی ہائیکنگ کلب کا راقم الحروف بہت عرصہ تک انچارج رہا۔ جب پہلی بار انہوں نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو بوجہ اس کے یہ بہت تکلیف دہ سفر ہوتا تھا۔ مَیں نے انکار کیا۔ انہوں نے میر صاحب یعنی پرنسپل صاحب کو کہا اور ہمارے ساتھ جانے کا فیصلہ صادر ہو گیا۔ اور پھر مَیں نے دیکھا کہ پڑاؤ پر رات گذارنے کے بعد صبح سب سے پہلے وہ تیار ہو کر اکیلے پیدل سڑک پر چل پڑتے۔ پگڈنڈیوں وغیرہ پر ہم انہیں جانے نہ دیتے۔ لیکن وادیٔ کاغان وہ جھیل سیف الملوک پر برف عبور کر کے بھی گئے۔ جامعہ کی طرف سے کوئی تفریحی پروگرام ہو وہ اس میں حصّہ ضرور لیتے۔ جامعہ سے باہر کے طلباء کی بھی مدد کرتے۔ بعض دفعہ میرے ذریعہ بھی انہوں نے ایسا کیا۔ اُن کے رخصت ہونے سے طبیعت ایک خلا محسوس کرتی ہے۔ ؎ سُونی پڑی ہے محفلِ غم بھی ترے بغیر

اللہ تعالیٰ انہیں جنّت کے اعلیٰ مدارج عطا فرمائے مرحوم بہت خوبیوں کے مالک۔ ایک بزرگ دوست تھے جو اس دُنیا میں نہ رہے۔

؎ بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

کُلُّ من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربّک ذو الجلالِ والاِکرام۔

۵۔ محترم بشیر احمد خان صاحب رفیق سابق امام مسجد لندن حال ایڈیشنل وکیل التبشیر و ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز نے تحریر فرمایا:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مومن کی ایک نشانی یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ہنس مکھ رہتا ہے اور باغ و بہار طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ حضرت ماسٹر عطاء محمد صاحب رضی ان بزرگ مومن بندوں میں سے تھے۔ جو نہ صرف خود بشاش رہتے تھے۔ بلکہ اپنے ملنے والوں کو بھی بشاش رکھتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ما انا من المتکلفین کہ مَیں تکلّف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ حضرت ماسٹر صاحب میں یہ وصف بے تکلّفی کا بدرجہ اتم موجود تھا۔

اس خاکسار کو حضرت ماسٹر صاحب سے پہلی مرتبہ اس وقت ملنے کا شرف حاصل ہؤا جب میں جامعۃ المبشرین میں داخل ہؤا۔ ایک دن حضرت ماسٹر صاحب سے ملنے کا اتفاق ہؤا چونکہ مجھے فارسی زبان سے کچھ شغف رہا ہے۔ اس لئے پہلی ملاقات میں ہی حضرت ماسٹر صاحب سے زبانِ فارسی کے بارہ میں کچھ بات چیت ہوئی۔ مَیں نے چند فارسی اشعار انہیں سُنائے جنہیں سُن کر وہ بے حد محظوظ ہوئے۔ اگلے دن جب انہوں نے مجھے دُور سے دیکھا تو کمال بے تکلّفی سے " او بشیر ادھر آؤ " کر کے پکارا تو مجھے ایک طرف جہاں بے حد خوشی ہوئی کہ ایک دن کی ملاقات کے بعد حضرت ماسٹر صاحب میرے اتنے قریب ہو گئے ہیں کہ اتنی بے تکلّفی سے مجھے آواز دی ہے گویا مدّتوں سے ہمارا آپس کا تعلق تھا وہاں مجھے حضرت ماسٹر

صاحب کے بے ساختہ پن اور بلا تکلّف طبیعت پر رشک آیا۔ اور یہ ابتداء ہوئی آئندہ کئی سالوں کی مجھ پر ان کے موردِ التفاتِ خاص ہونے کی۔

جب بھی ملتے۔ آغازِ کلام ہی میں کوئی چٹکلہ۔ کوئی نکتہ۔ کوئی شعر ایسا سُناتے کہ طبیعت باغ باغ ہو جاتی۔ اور کسی قسم کا عمروں کا تفاوت یا استادی شاگردی کا تصور ذہن میں نہ آتا تھا۔ اور اب تو ان کی وفات کے بعد جب ان کی یاد آتی ہے تو بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا ہے کہ۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تُونے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

۵۔ برادر مکرم لئیق احمد صاحب طاہر سابق مبلغ انگلستان حال نائب وکیل التبشیر تحریکِ جدید نے تحریر فرمایا :۔

"حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب سے ابتدائی شناسائی ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ جبکہ خاکسار جامعہ احمدیہ کی پہلی کلاس (ہنجم) میں داخل ہوا۔ آپ اُن دنوں غیر پاکستانی طلبہ کو اُردو پڑھایا کرتے تھے۔ آپ سے زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع تو نہ ملا۔ تاہم آپ کی بزرگانہ اور پُر مزاح شخصیت کا اثر مختلف علمی اور تفریحی پروگراموں کے دوران گہرا اور دیرپا ہوتا گیا۔

سب اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ آپ پدرانہ شفقت اور محبت سے پیش آتے اور سبھی آپ کو بے پناہ عقیدت و محبت سے یاد کرتے۔ میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ آپ سبھی سے ایسی پُر خلوص محبت سے پیش آتے تھے کہ ہر کس و ناکس کو یہی گمان ہوتا کہ شائد حضرت ماسٹر صاحب مجھی سے سب سے زیادہ تعلق خاطر

رکھتے ہیں ۔

مسکراتا کھلتا ہوا چہرہ ۔ اعلیٰ پایہ کا علمی ذوق، فارسی اساتذہ کے کلام میں خاص دسترس ۔ علم دین کی باریک راہوں کے نکتہ سنج ۔ اُردو ادب کے بحرِ بے کراں کے شناور ۔ غیرت و حمیتِ احمدیّت کے پہلوان ۔ رموزِ زندگی کے آشنا (حقیقی واقف زندگی) اپنے فرائض کی ادائیگی میں دیوانگی کی حد تک مگن اور پابندیٔ وقت کے دلدادہ ۔ ہمّت و عزیمت کے پیکر، عزم کے جوان گویا فی الواقعہ جوانوں کے جوان تھے ۔

مجھے آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۲ء تک اُس زمانہ میں ملا جبکہ خاکسار جامعہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہا تھا ۔ آپ کی سادہ مگر پُر کشش شخصیت کی یاد آج بھی وجد کی کیفیت پیدا کر رہی ہے ۔ آپ بلا مبالغہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عاشقِ صادق تھے اور آپ کی ملاقات سے سکونِ قلب حاصل ہوتا تھا ۔ انسان خواہ کیسے ہی غموں کے ہجوم کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا واپسی پر وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا مطمئن اور شگفتہ محسوس کرتا ۔ آپ نہایت صاف گو تھے ایک چھوٹا سا واقعہ اس ضمن میں قارئین کی خدمت میں عرض کرتا چلوں ۔ جامعہ کے سٹاف روم میں عموماً پہلی گھنٹی شروع ہونے سے قبل آپ سے ملاقات ہوتی ۔ چند بار میں نے عرض کیا کہ کیا آپ میرے لئے دُعا کرتے ہیں ؟ فرمایا ہاں ! مَیں نے عرض کیا کہ کیا میرا نام لے کر دُعا کی ہے ؟ کہنے لگے نہیں ! سارے سٹاف کے ساتھ مجموعی رنگ میں یاد رکھتا

ہوں۔ مَیں نے کئی دن تک بار بار اصرار کیا کہ میرا نام لے کر دُعا کیا کریں۔ ایک دن خود ہی فرمانے لگے اَب مَیں تمہارا نام لے کر تمہارے لیئے اور تمہاری بیگم کے لیئے دُعا کرتا ہوں۔ اس پر خاکسار نے ممنونیت کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کیا۔

۱۹۷۲-۷۳ء کی بات ہے آپ ہمارے ساتھ ہائیکنگ پہ جانے کے لیئے تیار ہو گئے۔ گو بڑھاپے کی وجہ سے ہمیں خیال آتا تھا کہ پہاڑی راستوں پر پُر مشقت سفر آپ کے لئے تکلیف دہ ہوگا مگر آپ کے جوان عزم کے سامنے یہ کٹھن راستے گویا کوہ قاف کے لاہوتی سفروں کی مانند تھے۔ آپ ڈاڈر سینی ٹوریم تک ہمارے ساتھ گئے۔ ڈاڈر میں مَیں نے آپ کو قرۃ العین زریں تاج امّ طاہرہ کے چند اشعار سُنائے۔ یہ اشعار میں نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی سے سُنے تھے۔ حضرت ماسٹر صاحب نے بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔ بعد میں خاکسار کی درخواست پر آپ نے اپنے قلم مبارک سے یہ اشعار رقم فرما دیئے۔

آپ کا دل مسجد میں اٹکا رہتا تھا جب تک دم میں دم رہا۔ پانچوں وقت میں امام کے پیچھے نماز شروع ہونے سے کافی وقت پہلے جا کر تشریف فرما ہوتے۔ خشیت کے ساتھ نماز پڑھتے۔ مرنجان مرنج طبیعت تھی۔ واپسی پر کسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی کھونڈی (لمبی چھڑی) سے دھرتی کے سینہ کو بجاتے ہوئے۔ چھوٹی چھوٹی پیاری پیاری باتیں کرتے ہوئے واپس آتے۔ افسوس اَب ایسے فرشتہ سیرت بزرگ کہاں سے ڈھونڈیں۔ ان کی یادوں سے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور ان کی لافانی دعائیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں آمین۔

۵۔ برادرم مکرم یعقوب امجد صاحب ایم۔ اے نے کھاریاں سے تحریر فرمایا:
"اس انٹرویو کا فوٹو اسٹیٹ ارسال کر رہا ہوں جسے میرے بیٹے نے اپنے مقالے کے لئے محترم ماسٹر عطاء محمد صاحبؓ مرحوم سے لیا تھا۔ چونکہ ناچیز کو بھی کچھ عرصہ جامعہ احمدیہ میں قیام کے دوران اُن سے نیاز مندانہ تعلق رہا ہے۔ اس نیاز مندی کا حق ادا کرنے کے لئے چند سطور رقم کر رہا ہوں۔

جنوری ۱۹۶۴ء میں مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور "مدیرِ مکتبہ" کام کرنے کا موقع ملا۔ اگرچہ میرا قیام مختصر تھا۔ مگر اس دوران جن لوگوں نے مجھے متاثر کیا اُن میں سے ایک شخصیت بزرگوارم محترم عطاء محمد صاحبؓ فاضل کی تھی۔ جس شفقت سے وہ مجھ سے پیش آتے وہ مثالی تھی۔ جب کبھی اُن کو فرصت ملتی وہ لائبریری میں تشریف لے آتے۔ کافی دیر تک علمی اور معلوماتی باتیں ہوتی رہتیں۔ وہ اپنی ابتدائی عمر کے دلچسپ حالات سناتے اور قادیان تک پیدل جانے کے واقعات بیان کرتے۔ اُن کا اندازِ تخاطب رسیلا اور میٹھا تھا۔ وہ غیر ملکی طلبہ کو اردو پڑھاتے تھے۔ اُن کا انداز دلکش تھا۔ اگرچہ مَیں جماعت سے باہر لائبریری میں ہوتا تھا۔ مگر جب وہ پڑھاتے تو ان کا انداز مجھے اُن کی طرف مائل کر دیتا۔ جب کبھی لائبریری میں تشریف لاتے تو آتے ہی اکثر پنجابی کا یہ جملہ ارشاد فرماتے۔ "اوہ منڈیا! ایدھر آ تیرے نال کُج علمی گلاں کریئے۔" ناچیز حاضر ہو جاتا اور پھر گھنٹہ گھنٹہ بھر ان کی علمی بحث سے لطف اندوز ہوتا۔ چونکہ وہ ایک طویل تدریسی تجربے کے بعد جامعہ احمدیہ میں آئے تھے۔ اس لئے ان کا انداز اپنا تھا۔ نہ اُس میں

کوئی تصنّع تھا اور نہ سطحی باتیں تھیں۔"

جس انٹرویو کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے اس کا متن درج ذیل ہے۔ یہ اس مقالہ کا حصّہ ہے جو عزیزم محمد ادریس صاحب نے پنجاب یونیورسٹی میں پیش کیا۔

" مقام انٹرویو ربوہ ۔ تاریخ ۳۰ ردسمبر ۱۹۸۰ء

آپ بھی ان خوش نصیب بزرگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے مولانا حکیم نورالدین کی مجلس کا رنگ دیکھا اور بعض اوقات آپ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقعہ بھی ملا۔ یہ بزرگ آج کل جامعہ احمدیہ ربوہ میں بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کو اردو زبان سکھانے پر مامور ہیں۔ مَیں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو بہت خوش ہوئے اور مَیں نے جب اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا تو فرمانے لگے :۔

" مولانا حکیم نورالدین کی شخصیت دو بڑے پہلو رکھتی ہے ایک عالمانہ اور رُوحانی شان کا اور دوسرا ایک نامور اور بلند مرتبہ طبیب کا۔ آپ نے عیسائیوں کے جواب میں ایک بڑی جامع اور مدلل کتاب فصل الخطاب کے نام سے لکھی ہے۔ بڑی عالمانہ کتاب ہے مگر اس کا اندازِ بیان کچھ سخت ہے"۔

مولانا حکیم نورالدین کی حذاقت اور طبّی تشخیص کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

" آپ کے مریض کو دوسری دفعہ آپ سے رجوع کرنے کی

ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے کہ آپ ایک ہی نظر میں اس کی بیماری کو پا جاتے تھے اور یہ سب کچھ مَیں اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ رہا ہوں"۔

احباب کی طرف سے بہت سے تعزیت کے خطوط موصول ہوتے رہے بلکہ اَب بھی جب کہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں بیرونی ممالک سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ خاکسار نے ماہنامہ تحریک جدید کے مئی کے شمارہ میں تعزیت کرنے والے دوستوں کا شکریہ ادا کیا تھا اور فرداً فرداً بھی تمام دوستوں کو ان کے خطوط کی وصولی کی اطلاع دی تھی اور شکریہ ادا کیا تھا۔ جو خط اس تحریر کے بعد موصول ہوئے ہیں ان کا بھی اور جو اس کے بعد موصول ہوں گے۔ ان کا بھی اس تحریر کے ذریعہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔

تحریک جدید میں جو کچھ لکھا گیا تھا۔ اس کا مکمّل متن ذیل میں درج ہے :-

"احبابِ کرام کا شکریّہ

۲۸ / مارچ ۱۹۸۳ء کو خاکسار کے والد محترم حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب فاضل جو گذشتہ ۴۳ سال سے جامعہ احمدیہ ربوہ میں بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کو اردو پڑھاتے تھے وفات پا گئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۳ سال تھی۔ الفضل میں یہ خبر چھپی تو پاکستان اور بیرونِ پاکستان سے بھی بہت سے دوستوں نے اظہارِ تعزیت فرمایا۔ میں ان تمام دوستوں کا تہِ دل سے ممنون ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ والدِ محترم کے لئے دُعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے آمین۔

یہ بات میرے لئے انتہائی فخر اور مسرت کا باعث ہے کہ سب سے پہلا تعزیتی خط سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے ملا جس میں حضور نے تحریر فرمایا:۔

"آپ کے والد صاحب محترم ماسٹر عطا محمد صاحب کی وفات کا دلی صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور اپنے خاص مقربین میں انہیں داخل فرمائے اور آپ کو صبر کے ساتھ اس صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمّت عطا کرے اور آپ سب کا حافظ وناصر ہو اور ہمیشہ اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔ آمین۔

مرحوم کو حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے صحابہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل تھا اور نہایت ہی تندہی اور وفاداری کے ساتھ لمبے عرصہ تک جماعت کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ (ترجمہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو)"

(خاکسار۔ نسیم سیفی)



حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ
کے پہلے بیرونی ممالک کے
دَورہ سے واپسی پر۔

۲

خاکسار کے پڑدادا محمد نسیم صاحب کے تین بیٹے تھے (امیر بخش، میراں بخش وزیرالدین)۔ میراں بخش صاحب خاکسار کے دادا تھے۔ ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں آپ قادیان آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی محترم مولوی وزیرالدین صاحب اور ایک بیٹا غلام رسول صاحب بھی تھے۔ ان کے نام حضرت مسیح موعودؑ نے آئینہ کمالاتِ اسلام میں شائع فرمائے ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ خاکسار کے ددھیال اور ننھیال میں احمدیت کے آغاز ہی میں بعض افراد کو شمولیت کی سعادت حاصل ہوگئی تھی۔

جلسہ سالانہ سے واپسی کے تھوڑی ہی دیر بعد دادا جان اللہ کو پیارے ہوگئے اور اس طرح اباجی تقریباً تین سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ اُن کے چچا حضرت مولوی وزیرالدین صاحب سبحان پور ٹیرا میں مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اس بھتیجے کو اپنے پاس لے گئے اور جیسا کہ اباجی اکثر ذکر کرتے تھے اُن کی بڑی اچھی تربیت کی۔ چھٹی جماعت پاس کرنے کے بعد حضرت مولوی وزیرالدین صاحب نے انہیں پہلی جماعت کے استاد کے طور پر ملازم کرادیا۔ اس ملازمت ہی کے دوران انہوں نے ساتویں اور آٹھویں جماعت پاس کی۔ تعلیم حاصل کرنے کا شوق اباجی کے لئے جلد جلد آگے بڑھنے کا باعث بنا۔ یہ بات

اُن کے چچا جان کے لئے بھی دلی مسرّت کا باعث تھی۔ ابّا جی نے خود ایک جگہ لکھا ہے:۔

"ایک دفعہ مَیں نے ایک کتاب لغات فارسی اور ایک حمائل شریف مترجم خریدنے کے لئے ایک لڑکے سے ڈیڑھ روپیہ قرض لیا اور دونوں کتابیں بذریعہ وی۔ پی شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور سے بذریعہ ڈاک منگوالیں۔ ایک دن اُس لڑکے کا والد چچا جان کے پاس آیا اور اُس نے شکایت کی کہ پہلی جماعت کے ماسٹر صاحب نے میرے لڑکے سے ڈیڑھ روپیہ قرض لیا تھا وہ اب تک ادا نہیں کیا۔ شکایت سُن کر محترم چچا جان غصّہ سے لال پیلے ہو گئے اور سخت غصّہ کی حالت میں انہوں نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ ڈیڑھ روپیہ کہاں خرچ کرنے کے لئے لیا ہے۔ مَیں نے وہ دونوں کتابیں جو منگوائیں تھیں پیش کر دیں۔ کتابوں کو دیکھ کر آپ کا چہرہ جو غصّہ سے لال پیلا ہو رہا تھا اچانک تمتما اُٹھا۔ گویا کسی نے بھڑکتی آگ پر پانی ڈال دیا۔ آپ نے ڈیڑھ روپیہ اس شکایت کرنے والے کے حوالے کیا اور مجھ سے درگذر کرتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔"

جس شوق کی یہ ابتدا تھی اس کی انتہا یہ تھی کہ ابّا جی کو اچھی کتابوں سے اتنا اُنس ہو گیا تھا کہ جیسے کتابوں کے عشق پر محمول کر سکتے ہیں۔ ہر اچھی کتاب پہلی جماعت کے قاعدے سے لے کر علم کی انتہا کو چھوتے والی کتاب تک آپ حاصل

کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اُسے اتنا سنبھال کر رکھتے تھے کہ گویا وہی اُن کی سب سے زیادہ عزیز متاع ہے۔ قادیان میں یہ کتابیں بڑے صندوقوں میں جنہیں عام طور پر پیٹی کہا جاتا ہے۔ بند تھیں۔ اور ابّا جی جب بھی باہر سے جہاں ملازمت کے دوران اُن کا قیام ہوتا قادیان آتے تو سارا وقت ان کتابوں ہی کے ساتھ شغف رہتا۔ جہاں کہیں کسی اخبار یا رسالے سے اچھا فقرہ ملتا اُسے محفوظ کر لیتے۔ کئی دفعہ آپ نے مجھے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پُرزے دکھائے جو اخبارات یا رسالوں کے تراشے تھے۔ حافظہ اس بَلا کا پایا تھا کہ بعض اوقات کسی اچھّی کتاب کا بیشتر حصّہ زبانی یاد کر لیتے تھے۔ میرے ایک استاد منشی غلام محمد صاحب جو قادیان میں پہلی جماعت کے استاد تھے مجھے اکثر بتایا کرتے تھے کہ ابّا جی نے منشی فاضل کے امتحان کے لئے اخلاق جلالی جو خاصی ضخیم کتاب ہے۔ زبانی یاد کر لی تھی۔ یہ بات میرے لئے شنید ہی رہتی اگر بی اے کے کورس میں اس کتاب کے کچھ حصّے شامل نہ ہوتے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب کبھی مَیں یہ کتاب ابّا جی سے پڑھنے بیٹھتا تو مجھے اس بات کا احساس ہوتا کہ اس کے پیراگراف پر پیراگراف ابّا جی کو زبانی یاد ہیں۔ ابّا جی کے منشی فاضل کے امتحان اور میرے بی اے کے امتحان میں تقریبًا بیس[20] سال کا فاصلہ تھا۔ گویا کہ بیس سال پہلے پڑھی اور یاد کی ہوئی کتاب کے بہت سے حِصّے ابھی تک زبانی یاد تھے۔ ابّا جی کے اپنے الفاظ میں:

"قادیان محلہ دارالفضل میں میرے پڑوس میں مولوی حکیم عبید اللہ صاحب کا بھی مسکن تھا وہ فارسی زبان کے بہت بڑے علّامہ اور

نہایت ہی حاذق طبیب بھی تھے۔ اُن کے پاس اکثر میری نشست و برخاست رہتی تھی۔ ایک دن باتوں باتوں میں انہوں نے فرمایا اگر تم منشی فاضل کا امتحان دے دو تو تمہاری تنخواہ ستر روپے ماہوار ہو سکتی ہے۔ ستر روپے کا نام سُن کر میرے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ (ان دنوں کی تنخواہ کے متعلق ابّا جی نے اپنی نوٹ بُک میں تحریر کیا ہُوا ہے " ان دنوں میری تنخواہ صرف پندرہ ۱۵ روپے ہُوا کرتی تھی اور چونکہ میں نے وصیت کی تھی۔ اس لئے ڈیڑھ روپیہ وصیت کا اور چار آنے شفاخانے کے وضع ہو کر مجھے صرف تیراں ۱۳/۴ روپے چار آنے ملا کرتے تھے۔ اس قلیل آمدنی سے دو بچوں اور میاں بیوی کا گذارہ بڑی تنگی سے ہوتا تھا۔) اور میں نے اُن سے عرض کی کہ مجھے کچھ کتابیں منگوا دی جائیں۔ انہوں نے فوراً اخلاقِ جلالی۔ رقعات ابوالفضل۔ وقائع عالمگیری وغیرہ کتابیں مجھے منگوا دیں۔ اور اخلاقِ جلالی پڑھانی بھی شروع کر دی۔ چند یوم کے درس و تدریس کے بعد ایک دن مولوی صاحب نے فرمایا کہ تمہاری طبیعت طبابت سے بہت مانوس معلوم ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہ منشی فاضل کی بجائے حکیم حاذق کا امتحان دے دو۔ میں نے عرض کیا کہ پانچ چھ روپے ان کتابوں پر خرچ ہو گئے ہیں۔ اگر اتنی ہی رقم مزید خرچ کرنی پڑی تو گزارہ کرنا بہت مشکل ہو گا۔ اس پر مولوی صاحب ناراض ہو گئے اور مجھے درس دینا چھوڑ دیا۔ مجھے چونکہ فارسی زبان سے شروع ہی

سے لگاؤ چلا آرہا تھا۔ اور اخلاقِ جلالی کی فارسی بھی ایسی شیریں تھی کہ میرا دل چاہتا تھا کہ مَیں ساری کتاب ہی نگل جاؤں۔ اس لئے مَیں نے یہ انتظام کیا کہ شام کو جب سکول سے فارغ ہوتا تو اخلاقِ جلالی کا نہ صرف مطالعہ کرتا بلکہ اُسے حفظ بھی کرتا جاتا تھا۔ حتّٰی کہ تقریبًا دو۲ ماہ کے عرصہ میں مَیں نے اس کتاب کا معتدبہ حصّہ زبانی حفظ کر لیا۔ اس کے علاوہ مَیں نے رقعاتِ ابوالفضل اور دیوان حافظ شیرازی بھی زیرِ مطالعہ رکھا۔ امتحان سے چند یوم قبل مولوی صاحب کے دل میں پھر رحم آیا اور انہوں نے مجھے بی اے عربی کورس کی کچھ نثر اور نظم میں حماسہ اور متنبی کا حصّہ پڑھا دیا"۔

اس میں ابّاجی نے فارسی سے لگاؤ کا ذکر کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مَیں بی اے کا طالب علم تھا اور حضرت مولوی عبیداللہ صاحب بسمل نے مجھے فارسی پڑھانی شروع کی تو دو چار دنوں کے بعد فرمانے لگے جاؤ اپنے باپ سے فارسی پڑھو۔ اس وقت پنجاب میں اُن سے زیادہ فارسی کون جانتا ہے۔ میٹرک کے امتحان کے سلسلہ میں بھی ابّاجی نے بعض مضامین، خطوط اور درخواستیں زبانی یاد کر لینے کا ذکر کیا ہے۔ منشی فاضل کا امتحان پاس کر لینے کے بعد ابّاجی کو پتہ چلا کہ وہ صرف انگریزی کا امتحان دے کر میٹرک، ایف اے اور بی اے کر سکتے تھے۔ چنانچہ میٹرک کی تیاری کے لئے آپ نے متعدد انگریزی کتابیں خرید کر مطالعہ شروع کر دیا۔ انہیں کتابوں کے بعض ESSAYS ، خطوط اور درخواستیں بھی

انہوں نے زبانی یاد کیں" کیونکہ ان کی انگریزی اچھی اور مضمون نہایت دلچسپ تھے۔" ابّا جی نے بی۔ اے کا امتحان دیا تو پہلی دفعہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ دوسری دفعہ امتحان دیا تو مجھ سے کہنے لگے کہ قلبی اطمینان پر مضمون لکھنا تھا میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی کے بعض پیراگراف زبانی یاد کئے ہوئے تھے وہی لکھ آیا ہوں اور اُن میں سے بعض فقرے مجھے سُنائے بھی۔

قادیان کے قریب تلونڈی جھنگلاں کے سکول میں بھی کچھ دیر آپ نے تدریس کا کام کیا۔ قادیان سے تلونڈی پیدل جاتے تھے اور پیدل واپس آتے تھے۔ قرآن مجید کی چھوٹی سی حمائل اپنے ساتھ رکھتے اور جاتے ہوئے بھی اور آتے ہوئے بھی قرآن مجید حفظ کرتے رہے۔ چنانچہ اسی طرح قرآن مجید کا کافی حصّہ حفظ کر لیا۔

ابّا جی کی تعلیم کا اکثر حصّہ تو میری ہوش سے پہلے ہی مکمّل ہو گیا تھا۔ لیکن ایک خاص موقع پر مَیں نے انہیں عربی زبان کا علم حاصل کرتے ضرور دیکھا ہے۔ مَیں اور ابّا جی باغبانپورہ میں تھے۔ آدھی چھٹی کے وقت اساتذہ بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے۔ ابّا جی کی گفتگو اکثر دینی موضوعات پر ہوتی تھی۔ ہمارے ایک عربی زبان کے اُستاد مولوی زین العابدین صاحب اُن کا نام تھا۔ اس معاملہ میں ابّا جی کے مدّمقابل ہوتے تھے۔ ایک دن عربی کے کسی لفظ پر بات چلی تو بعد میں ابّا جی کو احساس ہؤا کہ وہ غلطی پر تھے۔ چنانچہ اُسی دن فیصلہ کر لیا کہ عربی زبان بطور خاص پڑھی جائے۔ عربی کی ابتدائی کتابیں اُن کے خلاصے اور صرف اور نحو کی کتابیں

منگوالیں۔ سکول سے واپس آتے خود کھانا پکاتے اور جب ہم دونوں کھا چکتے تو اباجی شدید گرمی کے باوجود کتابیں لے کر بیٹھ جاتے اور پڑھنا شروع کر دیتے۔ ہر سبق کا ترجمہ لکھتے۔ ہر مشق کو حل کرتے۔ مشکل الفاظ کے معانی ساتھ کے ساتھ کاپیوں پر لکھتے جاتے۔ خط انتہائی خوبصورت تھا۔ کبھی باریک اور کبھی موٹی قلم سے لکھتے۔ کچھ عرصہ تک آپ نے یہی طریق جاری رکھا اور پھر مجھے یاد ہے کہ آپ نے عربی زبان میں وہاں کے مولویوں کو خطوط لکھے۔ اس کے بعد شیخوپورہ تبدیلی ہو گئی اور وہاں بھی غیر احمدی مولویوں کو عربی زبان میں خطوط لکھے کہ اگر وہ چاہیں تو عربی زبان میں تحریری مناظرہ کر لیں۔ گویا انہوں نے عربی زبان میں اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ تحریری مناظرہ کر سکتے تھے۔

یہ بات بھی آپ میں خاص نمایاں تھی کہ علم دوست احباب سے دلی محبت کی حد تک پیار کرتے تھے۔ اور اکثر ان کا ذکر کرتے۔ چنانچہ ڈائری میں لکھا ہے۔

"گورنمنٹ نے ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں منشی فاضل، مولوی فاضل پنڈتوں اور گیانیوں کی ٹریننگ کے لئے ایک کلاس سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں کھولی۔ اس کلاس کے لئے ۱۹۲۱ء میں میرا انتخاب عمل میں آ گیا۔ اور میں اکتوبر ۱۹۲۱ء میں سینٹرل ٹریننگ کالج میں تعلیم پانے کے لئے لاہور آ گیا۔ بورڈنگ ہاؤس میں ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی جو حقانی صاحب کے صاحبزادے اور بطور جے۔ اے۔ وی وہاں ٹریننگ حاصل کر رہے تھے۔ میرے گہرے دوست بن گئے۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ وہ صحیح معنوں

میں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے ادیب اور ادیب زادہ تھے اور کسی دوسرے میں ادبی قابلیت دیکھ کر بہت محظوظ ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے بورڈنگ ہاؤس کے نوٹس بورڈ پر مندرجہ ذیل رباعی لکھی

گر تت کنوں تہ ران است ابلق ایام
چو آخرت بسر افتاد نست چیزے نیست
عطا اطبع کہ بطاعت رسی باوجِ کمال
کہ بغیرِ طاعتِ حق ہرچہ ہست چیزے نیست

اس رباعی پر جب اُن کی نظر پڑی انہوں نے فوراً از بر کر لی اور مدت العمر گاہے گاہے مجھے یاد دلاتے رہے کہ میں نے آپ کی رُباعی یاد کی ہوئی ہے اور مجھے سُناتے اور بہت محظوظ ہوتے۔"

میں نے باغبانپورہ میں اباجی کے عربی پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اباجی کی اپنی تحریر درج ذیل ہے:-

"میرا لڑکا نور محمد جب ساتویں جماعت میں ہوا تو چونکہ عربی، فارسی کی تعلیم ساتویں جماعت سے شروع ہوتی تھی میں نے اس کو عربی مضمون لے دیا۔ باغبانپورہ ہائی سکول میں عربی کے ٹیچر گوجرانوالہ کے ایک مولوی صاحب تھے جن کا نام زین العابدین تھا۔ وہ احمدیت کے اس قدر سخت دشمن تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا نام سُنتے ہی گالیوں پر اُتر آتے۔ وہاں ایک سائنس ماسٹر شیخ محمد حسین نام

موچی دروازہ لاہور محلہ پاسبان کے رہنے والے تھے وہ جب تفریح کی چھٹی ہوتی تو کوئی نہ کوئی بات احمدیت کے متعلق ازراہِ مذاق کر دیتے اور مجھے اس کا جواب دینا پڑتا اور مولوی صاحب دشنام طرازی کا "مقدس" فریضہ ادا کرنے لگ جاتے. مجھے عربی کا ایک لفظ بھی نہ آتا تھا اُس وقت سُنی سنائی بات کرتا تھا ایک دن مَیں نے ایک حدیث بیان کی جس میں یُوْشَکُ کا لفظ آتا تھا. مولوی زین العابدین تو عربی کے مدرس تھے وہ جو معانی اس کے کرتے تھے وہ میرے معنوں سے مختلف تھے جب مَیں اُس دن چھٹی کے بعد گھر آیا تو مجھے معلوم ہُوا کہ میرے معنے غلط تھے. مَیں نے دل میں کہا کہ یہ تو مَر جانے والی بات ہے کہ انسان جھوٹ پر اصرار کرے. چنانچہ مَیں لاہور گیا. عربی کی پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی اُن کے ترجمے اور کتاب الصّرف اور کتاب النحو خرید کر لے آیا. چونکہ فارسی اور اردو کی گرامر سے مجھے شُد بُد تھی. عربی کی گردانیں مَیں نے چند ہی یوم میں یاد کر لیں. اور کتاب النحو کا بھی سرسری مطالعہ کر لیا. اس کے بعد ایک دن مَیں نے مولوی زین العابدین صاحب سے سکول میں دریافت کیا کہ مولوی صاحب اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ هزی اليك بجزع النخلة تساقط عليك رطباً جنياً ۔ اس آیت میں تساقط کا عامل جازم کونسا ہے؟

مولوی صاحب کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمانے لگے میرے مکان پر تشریف لائیں۔ مَیں کھانا کھا کر مولوی صاحب کے دولت خانے پر حاضر ہوگیا۔ دیکھا کہ مولوی صاحب جلالین اور تفسیر بیضاوی و دیگر کُتب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ مگر ان کو اس سوال کا جواب نہیں مل رہا۔ مَیں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ مولوی صاحب اَب مَیں آپ کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوگیا ہوں۔ اَب آپ سکول کمپاؤنڈ میں کوئی بات احمدیّت کے خلاف کریں گے تو مَیں آپ کی جھنڈ بٹھاؤں گا۔ چنانچہ اُس دن سے لے کر میرے تبادلۂ شیخوپورہ تک مولوی صاحب نے ایک لفظ بھی احمدیّت کے خلاف مُنہ سے نہ نکالا اور اُن کے مُنہ پر عملاً مہر لگ گئی (الحمد للہ)

چونکہ مجھے عربی زبان کا چسکہ پڑ گیا تھا اس لئے مَیں نے اس زبان کا مزید مطالعہ جاری رکھا اور مولوی اور مولوی عالم کی کتابیں خرید کر اُن پر عبور حاصل کر لیا۔ حتیٰ کہ مَیں اس قابل ہوگیا۔"

کتابوں سے لگاؤ اور حصولِ علم کے شوق کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جو قرآنِ مجید سادہ اور اُردو اور انگریزی کے تراجم آپ کے استعمال میں تھے اُن کے حاشیے خاص طور پر سادہ قرآن مجید کا حاشیہ نوٹوں اور اشارات سے اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ شاید ہی کوئی مذہبی مسئلہ ایسا ہوگا

جو ان سے پوری طرح واضح نہ ہو جاتا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید سادہ پر لکھے ہوئے نوٹ کسی بھی شخص کو سلسلہ کا ایک اچھا خاصا مبلغ بنا سکتے ہیں۔

اچھی کتابوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ تفسیرِ کبیر جلد اوّل جزو اوّل کی جلد پر یہ عبارت لکھی ہوئی ملتی ہے۔

جمادے چند دادم جاں خریدم ÷ بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

قرآنی علوم کا بحرِ زخّار

الموسوم بہ

تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل

تالیف منیف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

مملوکہ احقر العباد عطا محمد عافاہ اللہ وایّد

ریٹائرڈ اورینٹل ٹیچر دار الفضل قادیان گورداسپور حال وارد حافظ آباد کوچہ جوتشیاں ضلع گوجرانوالہ۔ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۴۸ء

اسی روز بفضلہٖ تعالیٰ مجلد کی گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضور پر نور کو صحت و سلامتی سے تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں حضور کے لدنّی علوم سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق بخشے (آمین ثم آمین)۔ عاجز عطا محمد احمدی گورنمنٹ پنشنر ۱۷ جولائی ۱۹۴۸ء

قیمت تفسیر بے جلد ۔/۴ روپے۔ مجلد کرنے پر صرف ہوا ۔/۱۰/۔ آنے

بحمد اللہ صرف ۔/۱۰/۔ میں مجلد ہو گئی۔

مؤرخہ ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء کو جلد پر کاغذ چڑھایا گیا۔)

تفسیر کبیر کے مضامین کی فہرست صفحات کے حوالوں کے ساتھ چند کاغذات
پر تحریر کی ہے ۔ اور اس کے بعد ایک طرف یہ نوٹ دیا ہے ۔

" اگر حضور کا علم دیکھنا ہو تو صفحات ۱۵۵ تا ۱۶۱ ، ۱۹۸ تا ۲۰۰ ،
۴۶۵ تا ۴۷۴ ، ۵۲۵ تا ۵۴۱ ، ۷۱۶ تا ۷۲۱ ، ۷۶۸ تا ۷۷۰ ،
۷۷۵ تا ۷۹۴ اور سورۃ کہف کی تفسیر ضرور دیکھیں ۔ یہ تفسیر پڑھنے سے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ سے معنی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہے
ہیں ۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ۔ اللّٰھمّ
صل علیٰ محمّدٍ و علیٰ اٰلِ محمدٍ و بارک وسلّم ۔

انگریزی قرآن کریم (تفسیر) مطالعہ کرنے کے بعد ملک صاحب (مخترم ملک
غلام فرید صاحب) کو ایک خط لکھا جو درج ذیل ہے ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

انگریزی قرآن کریم کی پہلی جلد میں نے اپریل ۱۹۴۸ء میں خریدی تھی ۔
خیال تھا کہ اگر جلدی جلدی دوسری جلدیں شائع ہوتی گئیں تو چند سالوں میں
انشاء اللہ تعالیٰ قرآن کریم کم از کم ایک زبان میں تو مکمّل ہو سکے گا مگر افسوس
کہ یہ خواب تا حال شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا ۔
مطالعہ کے دوران میں خاکسار نے بعض اغلاط (جو میرے
محدود اور ناقص علم کے مطابق اغلاط تھیں) ۔ نوٹ کی تھیں ۔ جنہیں میں آنمکرم کے
نوٹس میں لانے کی جرأت کرتا ہوں ۔ اگر وہ فی الواقعہ درستی کی محتاج ہوں تو فبہا

اور اگر میرے ہی وہم کا نتیجہ ہوں تو چشم پوشی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔
(یہ خط ۱۶/۱۱/۵۱ کو لکھا گیا تھا)۔

آئینہ کمالاتِ اسلام کا پہلا ایڈیشن (مطبوعہ ۱۸۹۳ء) کسی دوکان سے چھ آنے میں مل گیا اس میں چند صفحات موجود نہیں تھے وہ اپنے ہاتھ سے نہایت خوش خط لکھ کر کتاب میں لگائے ہوئے ہیں۔

برادرِ محترم مولانا محمد شریف صاحب جو ان دنوں بلادِ عربیہ میں تھے انہیں ایک خط میں اباجی نے لکھا۔ "جب ۴ر اکتوبر کو قادیان سے نکلے تھے تو میری دونوں آنکھیں موتیا کی وجہ سے بند تھیں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اسی حالت میں گھر سے نکلا اور لاہور پہنچ کر اکتوبر کے آخر میں ایک آنکھ بنوائی اگلے مارچ میں دوسری اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پھر مُردوں سے زندوں میں داخل ہوا۔ مگر افسوس زندگی کی وہ رفیق کتابیں سب کی سب ضائع ہو گئیں۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون"

اسی خط میں بعض کتابوں کے نام لکھے کہ یہ کتابیں میرے پاس ہیں کچھ وہاں سے بھجوانے کا مطالبہ کیا اور لکھا۔ "سلسلہ کا جس قدر لٹریچر آپ نے عربی زبان میں ترجمہ کیا یا کر دیا ہے۔ اگر سارا ایک دفعہ ناممکن ہو تو تھوڑا تھوڑا کر کے دو چار دفعہ اگر آپ بھیج سکیں تو باعث کمال شکر گزاری ہو گا۔ قیمت تحریر کرنے پر انشاء اللہ دفتر میں جمع کرا دی جائے گی۔ نیز مجھے ایک عربی لغت کی اشد ضرورت ہے براہِ کرم تحریر

فرمائیں کہ آجکل المنجد کی وہاں کیا قیمت ہے اور اگر بذریعہ ڈاک منگوائی جاوے تو کیا خرچ پڑے گا۔ (اقرب الموارد کی وہاں کیا قیمت ہے)۔ عزیزم نورِ محمد واپس جانے والے ہیں اور قریشی محمد افضل صاحب واپس آنے والے ہیں۔ اُن کے ہاتھ منگوائی جا سکتی ہے۔ عزیز مذکور اپنے ساتھ عربی کُتُب کا ایک سلسلہ "حدائق العربیہ" لایا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کے سات حصّے ہیں۔ جن میں سے پہلے چار تو موجود ہیں باقی پانچواں، چھٹا اور ساتواں حصّہ درکار ہے ان کی نسبت بھی تحریر کریں کہ وہ اب ملتے ہیں یا نہیں۔ بیروت اور مصر کے کسی اچھے تاجر کُتُب کو تحریر فرمائیں کہ اپنے ہاں کی مکمّل فہرست کتب ارسال کریں"۔ (یہ خط ۷ راکتوبر ۱۹۵۰ء کو لکھا گیا تھا)۔

۳۰ راکتوبر ۱۹۵۳ء کو ابّا جی نے مولانا محمد شریف صاحب کو لکھا۔ "کسی دوست کے ایماء پر کسی کتاب کے لئے جو آپ نے لکھا ہے کہ جس کتاب کی ضرورت ہو آپ کو تحریر کی جاوے تو وہ براہِ راست مصر سے یہاں پہنچ جائے گی۔ آپ کی بڑی نوازش ہے۔ کتابیں تو بہت سی درکار ہیں لیکن چونکہ صرف ایک ہی کتاب مل سکتی ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ اگر (i) سیرت ابن ہشام (وہ نسخہ جو چار جلدوں میں طبع ہوا ہے)، (ii) بخاری شریف مشکول۔ (iii) دیوانِ حسّان بشرح البرقوقی۔ (iv) مغنی اللبیب عن کُتُب الاعاریب۔ میں سے جونسی کتاب صاحب موصوف باآسانی ارسال فرما سکیں شکریہ کے ساتھ

قبول کی جاوے گی۔

جب ابّا جی نے جامعہ احمدیہ میں تدریس شروع کی تو انہیں عربی زبان کی تعلیمی کتابوں کی ضرورت پیش آئی اس سلسلے میں ابّا جی نے برادرم مولانا صاحب کو بعض کتابوں کے نہ ملنے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا۔ "بات یہ ہے کہ جامعۃ المبشرین میں مجھے ایک تو چینی طلباء کو اُردو پڑھانے کی خدمت سپرد کی گئی ہے اور دوسری طرف ایک صاحب ابراہیم عباس سوڈانی اور دوسرے صالح الشبیبی انڈونیشیا کو اُردو پڑھانے کی خدمت سپرد ہے یہ دونوں اصحاب سوائے عربی کے اور کوئی زبان نہیں سمجھتے اور ان کو اردو پڑھانے کے لئے اردو کی چھوٹی چھوٹی کُتب کا عربی میں ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ اس مطلب کے لئے اگرچہ اور سلسلے بھی مفید ہیں مگر حدائق العربیہ میں مضامین کا جو تنوع پایا جاتا ہے اُس کی وجہ سے ہر قسم کے خیالات کو عربی جامہ پہنانا بہت آسان ہو جاتا ہے لہٰذا اس کتاب سے مجھے بہت فائدہ ہُوا ہے۔ پس میری دلی خواہش یہی ہے کہ اس سلسلے کی تمام کتب کا پُورا سیٹ اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ لہٰذا اگرچہ آنعزیز کو تکلیف تو ہو گی مگر اس تکلیف کشی کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تعلیم کے عوض میں کوئی ثواب ملا اور چونکہ میں بیشتر حصّہ وقت کا اسی لئے خرچ کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو حضرت مسیح موعودؑ کی کُتب سے استفادہ کرنے کے قابل بنانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ اور ضرور ضرور اس پر انشاء اللہ تعالےٰ

اجرِ عظیم ملے گا تو یقیناً اس ثواب میں آنعزیز کا حصہ روایتی سترّ کے حصّہ کے برابر ہوگا۔"

ایک انڈونیشی طالب علم جو بعد میں ہندوستان میں انڈونیشی سفارت خانہ میں ملازم ہوگئے۔ انہیں بھی کتابوں کے سلسلے میں لکھتے رہتے تھے۔ ان کا نام احمد سپرجا تھا۔ احمد سپرجا صاحب کا ایک خط ذیل میں درج ہے۔

"مکرم جناب ماسٹر عطا محمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مَیں سب سے پہلے آپ کے خط کے واسطے خدا کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ الحمد للہ آپ کی دُعا سے میں نیو دہلی میں بالسلامتی والعافیت رہتا ہوں۔ درحقیقت میں آپ کو زیادہ یاد کرتا ہوں۔ کیونکہ میں بالخصوص آپ کی مدد سے کچھ اردو لکھ اور پڑھ سکتا ہوں۔ آج کل میں بھی بڑے شوق کے ساتھ یہ زبان پڑھ رہا ہوں۔ آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

ماسٹر صاحب! کتابوں کے متعلق میں آج کوشش کر رہا ہوں اور انشاءاللہ ضرور ملیں گی اور آپ کو جلد سے جلد ضرور بھیجوں گا۔ بالآخر سب جامعہ الیشرین کے پروفیسر صاحبان اور طالب علموں کو میری طرف سے السلام علیکم۔ امید ہے کہ میرے لئے دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق و ہدایت دے اور اپنے کام یا مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام۔ آپ کا ادنیٰ خادم

احمد سپرجا



حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جامعہ احمدیہ کے اساتذہ کے ساتھ
اباجی محترم چوہدری صاحب کے بائیں طرف بیٹھے ہیں

۳

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اباجی کو بچپن ہی سے نماز اور روزے کی پابندی کا انتہائی خیال رہتا تھا۔ سوائے اُس وقت کے جب زندگی کے آخری سال، ڈیڑھ سال میں وہ بالکل صاحبِ فراش ہو گئے اور چل پھر نہیں سکتے تھے۔ میں نے انہیں انتہائی گرمی ہو یا تیز بارش نماز کے لئے مسجد جاتے دیکھا۔ اور جب میں اور اباجی دونوں کسی جگہ اکٹھے رہتے تھے یعنی فیملی کے باقی افراد ساتھ نہ ہوتے تھے اور اباجی کو خود کھانا پکانا پڑتا تھا تو یہ بھی دیکھا کہ اگر سحری کے وقت کھانے کا انتظام نہ ہو سکا تو انہوں نے بغیر کچھ کھائے ہی روزہ رکھ لیا۔ دوسروں سے سچی خوابیں سُننے کا بہت شوق تھا۔ اور جب کسی سے اُس کی سچی خواب سُن کر گھر آتے تو مجھ سے اصرار کے ساتھ کہتے کہ تم بھی اپنا کوئی خواب سُناؤ۔ اپنی سب سے پہلی سچی خواب انہوں نے اپنی ڈائری میں اس وقت کی تحریر کی ہے جب چھٹی جماعت کے طالبِ علم تھے۔ بات تو چھوٹی سی ہے لیکن ایک چھوٹے سے لڑکے کے لئے خاص اہم بات ہے۔ اباجی اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اگست ۱۹۰۴ء میں جب گرمی کی چھٹیاں ہوئیں تو میں اور میرے محترم چچا جان مکیریاں اپنے گھر چلے گئے۔ انہی چھٹیوں میں میں ایک دن مغرب کی نماز کے لئے مسجد میں گیا تو نماز پڑھتے

ہوئے میرا چاقو میری جیب سے گر گیا اور مسجد کے دروازے کے پاس ہی بیٹھے ہوئے بچوں میں سے کسی نے وہ چاقو اُٹھا لیا اور گھر کو چلا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر جب مَیں نے دیکھا کہ چاقو گُم ہو گیا ہے، تو مجھے سخت قلق ہوا، چنانچہ سُنتیں پڑھتے ہوئے مَیں نے نہایت رقّت اور سوز و گداز سے دُعا مانگی جو اللہ تعالیٰ نے ازراہِ بندہ نوازی قبول فرمائی اور رات خواب میں میری زبان پر الحمدللہ جاری ہو گیا۔ یہ خواب مَیں نے اپنے چچا جان کو سُنائی تو انہوں نے فرمایا کہ تمہاری کوئی دُعا قبول ہو گئی ہے۔ چنانچہ اسی دن شام کو اُس لڑکے کی والدہ میرا چاقو لے کر لڑکے کے ہمراہ ہمارے گھر آئی اور مجھے وہ چاقو دے گئی۔ جس پر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے تشکر و امتنان کے جذبات میرے دِل میں ٹھاٹھیں مارنے لگے۔"

اسی طرح اُنہی دنوں آپ نے ایک خواب میں دیکھا کہ ایک مکان ہے اس کے چوبارے کا رُخ شمال کی طرف ہے۔ ایک دیوار پر ایک مرغ کھڑا ہے جو بانگ دے رہا ہے۔ ابّا جی کی ڈائری سے پتہ چلتا ہے کہ مُرغ کے بانگ دینے سے مراد احمدیت کی تبلیغ تھی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:۔

"غالباً ۱۹۳۴ء میں ضلع ہوشیار پور میں ایک تبلیغی مہم جاری کی گئی تھی اور اس غرض کے لئے مکیریاں کو مرکز بنایا تھا۔ اس مقصد کے لئے جو مکان استعمال کیا گیا تھا وہ خاکسار کے محترم چچا جان

حضرت مولوی وزیرالدین صاحب مرحومؓ سابق ہیڈ ماسٹر ورنیکلر مڈل سکول سبحان پور ٹیرہ ضلع کانگڑے کا تھا اور اس مکان سے شرقی جانب چند قدم کے فاصلے پر محترم والد صاحب کا مکان تھا۔

۴ر اپریل ۱۹۰۵ء کو وہ زلزلہ آیا جس کے متعلق فروری یا مارچ کے مہینہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک اشتہار بعنوان "عفت الدیار محلها ومقامها" شائع فرمایا تھا اور جسے سبحان پور ٹیرہ میں دیواروں پر چسپاں کرنے کے لئے اباجی کے چچا جان نے اُن کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اس سلسلہ میں اباجی لکھتے ہیں :-

"مَیں سکول کے گیٹ اور دکانوں کی دیواروں پر یہ اشتہار چسپاں کر رہا تھا کہ وہاں کا ایک سُنار حسن دین نام میرے پاس سے گذرا اور اشتہار دیکھ کر کہنے لگا کہ مرزائیوں کی صف لپیٹی جائے گی۔ یہ سُن کر میرے مُنہ سے بے اختیار یہ نکلا کہ مرزائیوں کی تو نہیں مگر تمہاری صف لپیٹنے کا وقت آگیا ہے۔ یہ بات کہہ کر وہ چلا گیا۔"

اس زلزلہ کی تفصیل اباجی نے یُوں درج کی ہے۔

"۳ر اپریل ۱۹۰۵ء کی شام کو ایک بابُو محمد اسماعیل صاحب پوسٹ ماسٹر اور ایک منشی امام دین صاحب لمبا گاؤں ضلع کانگڑہ (جو سبحان پور ٹیرہ کے قریب ہے) دو احمدی حضرات اور ایک اور ایک اور صاحب جو زیر تبلیغ تھے ہمارے مہمان تھے۔ اور

ہم سب کی دعوت ایک دوست کریم بخش نے کر رکھی تھی۔ صبح کا گوندھا ہوا آٹا جو بچا ہوا تھا۔ اسی طرح رکھا رہا اور اس کے پکانے کھانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ دعوت کھا کر رات دیر سے گھر آئے اور آتے ہی سو گئے۔ جس مکان میں محترم چچا جان رہتے تھے وہ سکول سے ملحقہ زمین میں بنا ہوا تھا۔ سکول دو منزلہ تھا۔ نچلی منزل سکول کے طور پر کام آتی تھی اور اوپر کی منزل بطور بورڈنگ ہاؤس۔ اس مکان میں اس رات میرے اور میرے چچا جان کے علاوہ تین مذکورہ بالا مہمان تھے۔ ۴ر اپریل ۱۹۰۵ء کو عین طلوعِ آفتاب کے وقت قیامت خیز زلزلہ آیا جس سے اس مکان اور سکول کی بنیادیں تک اکھڑ گئیں۔ مگر اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے گھر میں جس قدر افراد تھے سب کے سب معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔ بورڈنگ ہاؤس کے بعض طالبعلموں کی چارپائیاں نیچے سڑک یا گلی میں گر پڑیں۔ ایسی حالت میں کہ لڑکا چارپائی پر پڑا ہے اور اس کی چارپائی پر وتر کی صورت میں ایک کڑی پڑی ہے جس کے نیچے بچہ بالکل محفوظ ہے نہ صرف یہ بلکہ سکول میں جتنے ماسٹر پڑھاتے تھے اور جتنے طالب علم سکول میں پڑھتے تھے۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے اور کسی کو خراش تک بھی نہ آئی۔ سوائے ایک ماسٹر دلیپ سنگھ صاحب کے جو نئے نئے آئے تھے اور انہوں

نے ابھی چارج بھی نہ لیا تھا۔ زلزلہ کی وجہ سے صرف اُن کو چند معمولی چوٹیں آئیں۔

اس کے برخلاف وہ حسن دین جو کہتا تھا کہ مرزائیوں کی صف لپیٹی جائے گی اس کے خاندان کے غالباً بیس افراد تھے جن میں سے سوائے دو تین کے سب لُقمۂ اجل ہو گئے۔ شہر میں اس قدر موتا موتی لگی کہ بعض گھر جن میں گیارہ گیارہ افراد تھے۔ اُن میں سے صرف ایک زندہ رہا اور باقی سب کے سب نہنگِ اجل کا شکار ہو گئے۔

اس جگہ یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جہاں میری چارپائی تھی وہاں سرہانے اور پائنتی کی طرف تھوڑی تھوڑی دیواریں کھڑی رہیں اور چھت کے چار بالے بدستور اپنی جگہ قائم رہے اور مَیں بالکل محفوظ حالت میں اپنی چارپائی پر پڑا رہا اور زلزلہ آنے اور سارا نقصان ہو جانے کے بعد اُٹھا اور مکان سے باہر نکلا اور نہ صرف مَیں بالکل محفوظ رہا بلکہ گھر کے دیگر افراد بھی ہر طرح خیریت سے رہے۔ گھر کا تمام سامان کتابیں، آئینہ، گھی، آٹا، دال، چاول وغیرہ جملہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ وامن میں رکھا۔ الحمدللہ۔

اس روز ظہر کی نماز کے متعلق ابّا جی نے ڈائری میں لکھا ہے:۔

" یہ بات بھی نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ اگرچہ مَیں پہلے بھی نماز کا قریباً قریباً پابند ہی تھا۔ مگر ۴؍ اپریل ۱۹۰۵ء کی ظہر کی نماز

مَیں نے جس خشوع اور خضوع سے پڑھی وہ ساری عمر میں میرے لئے ایک مثالی نماز تھی۔ اور اس کے بعد مَیں نے قطعاً کوئی نماز فوت نہیں ہونے دی اور اب تک کہ میری عمر ۷۰ سال کے قریب ہوگئی ہے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے نمازوں کا پابند ہوں۔"

اسی طرح آپ رمضان شریف کے روزوں کے متعلق لکھتے ہیں:-

"رمضان شریف کے روزے گرمی کے ہوں یا سردی کے۔ مَیں نے کبھی نہیں چھوڑے۔ لوگ روزوں کے ایّام میں ہزار ہا قسم کے تکلّفات سحری اور افطاری کے وقت کرتے ہیں۔ لیکن مَیں نے کبھی غیر معمولی انتظام کھانے پینے کا رمضان شریف کے لئے نہیں کیا۔"

اسی تعلق میں آپ اپنی دُعاؤں اور توکّل علی اللہ کا یوں ذکر کرتے ہیں:-

"بچپن میں مَیں نہایت خشوع اور خضوع سے نمازیں پڑھتا تھا۔ دُعاؤں کا بہت عادی تھا اور رؤیائے صالحہ سے بھی بفضل تعالیٰ مشرف تھا۔ جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی تو فوراً میرے مُنہ سے الحمد للہ ـــ نکلتا اور ساتھ ہی یہ خیال آتا کہ شکر ہے اسی پر اکتفاء ہوگئی ورنہ اگر اس سے زیادہ مصیبت یا تکلیف ہوتی تو مَیں کیا کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں مجھے اسی قسم کے خواب آیا کرتے تھے کہ گویا مَیں ہوا میں اُڑ رہا ہوں۔"

تلونڈی جھنگلاں کے قیام کے دوران طاعون کا مرض پھیلا تو اباجی نے دعا کی۔ اس واقعہ کو وہ یوں لکھتے ہیں :-

"میں مغرب کی نماز کے لئے مسجد میں گیا تو فرضوں کے بعد سنتوں میں مجھے دعا کی تحریک ہوئی اور میں نے دو رکعت سنتوں کے دوران بڑے خشوع اور خضوع کے ساتھ دعا کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جلد ہی مجھے وہ حالت میسر آگئی جو قبولیت دعا کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ سجدے کی حالت میں مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک سفید چادر آسمان سے آئی ہے اور میرے اوپر پڑگئی ہے اور اس نے میرا سارا وجود ڈھانپ لیا ہے۔ جیسا مرغی اور اس کے بچے ٹوکرے کے اندر بند اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ خشوع و خضوع کی حالت جاتی رہی۔ جس سے یقین ہو گیا کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے۔ چنانچہ گھر آکر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ خواہ سارا گاؤں طاعون سے ہلاک ہو ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنی حفظ و امان میں رکھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔"

تلونڈی جھنگلاں کا ایک اور واقعہ آپ نے یوں تحریر کیا ہے :-

"میری بیوی اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے خسر میاں فضل محمد صاحب کو پیغام بھیجا کہ میری بیوی کو تلونڈی جھنگلاں پہنچا دیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے مجھے کہلا بھیجا کہ گھوڑی لے آؤ اور آکر لے جاؤ۔ چنانچہ میں نے ایک زمیندار سے اس کی گھوڑی

مانگی۔ انہوں نے بلا چون وچرا میرے حوالے کر دی۔ یہ صاحب گھوڑیوں کے بہت شوقین تھے اور اعلیٰ سے اعلیٰ جانور اپنے پاس رکھتے تھے جب مَیں گھوڑی لے کر اپنے سُسرال پہنچا تو میاں فضل محمد صاحب بہت خائف ہوئے کہ تم ایسی اعلیٰ درجے کی گھوڑی کیوں لائے۔ یہ چوروں کا گاؤں ہے اگر گھوڑی چوری ہوگئی تو میرا سارا اثاثہ بک کر بھی اس کی قیمت ادا نہ ہوگی۔خیر وہ تو رات گھوڑی کے پاس ہی اپنی چارپائی ڈال کر اپنی دوکان میں سوئے اور مَیں گھر میں ہی رہا۔ رات اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر جاری کیا۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ جس سے مجھے یہ تفہیم ہوئی کہ گھوڑی اور میاں فضل محمد صاحب بفضلِ تعالےٰ بخیریت ہیں۔ اور کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔ یہ خواب مَیں نے اپنی خوش دامن صاحبہ اور خُسر صاحب کو بتلائی تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا واقعہ ابّا جی نے یُوں لکھا ہے :۔

"قادیان کی رہائش کے دوران ایک دن میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے لئے ہمراہ برادرم محمد عزیزالدین صاحب (ابّا جی کے چچا جان حضرت مولوی وزیرالدین صاحب کے بیٹے) مسجد مبارک میں گیا مگر افسوس کہ اس دن حضور نماز میں کسی وجہ سے تشریف فرما نہ ہوئے اس کے کچھ دن بعد مَیں اکیلا ہی

ایک دن حضرت اقدس کے مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دائیں جانب ایک کنوّاں ہے اور اُس کنوئیں پر چند ایک چھوٹے چھوٹے بچّے ہیں۔ اُن کے پاس ایک باٹی (ایک برتن) ہے۔ اور اس میں تھوڑا سا پانی ہے جس میں ایک لمبی تار سی ہے جو ہلتی ہے اور بچّے خُوب شور مچا رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔ کنوئیں کے پاس ہی سیڑھیاں ہیں۔ مَیں ان سیڑھیوں سے اُوپر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ ململ کا گھُنڈی دار کُرتہ پہنے ہوئے ہیں گھنڈی نیچے گری ہوئی ہے اور حضور کا سینہ مبارک نہایت خوبصورت نظر آ رہا ہے۔ حضور نے لٹھے کا تنگ موری کا پاجامہ پہنا ہوا ہے جس کا ایک پائینچہ ٹخنہ مبارک کے اُوپر اور دوسرا نصف ساق تک ہے۔ حضور کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک پلندہ ہے جو گول ہے اور حضور ٹہلتے ٹہلتے لکھ رہے ہیں۔ شمال کی طرف آتے ہیں تو وہاں ایک رکھی ہوئی دوات سے سیاہی لگا لیتے ہیں اور جنوب کی طرف جاتے ہیں تو وہاں چھوٹے سے طاق میں رکھی ہوئی ایک دوات سے سیاہی لگا لیتے ہیں۔ حضور کا سر مبارک ننگا تھا۔"

تبلیغی مساعی —— اباجی کی تبلیغی مساعی کا آغاز غالباً اس وقت ہُوا۔ جب آپ نے ۱۹۰۵ء والے زلزلے کے متعلق دیواروں پر اشتہار چسپاں کئے۔ اس کے بعد اباجی جس سکول میں بھی متعین ہوئے آپ نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہندوؤں اور سکھوں کو قرآن مجید بھی پڑھایا۔ سکھوں کو تبلیغ کے سلسلہ میں آپ نے اپنی ڈائری میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"اپریل ۱۹۱۲ء میں میرا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر ہو گیا۔ یہ جگہ

میرے لئے گورداسپور سے بھی زیادہ اچھی تھی۔ یہاں گجرات کے ایک ہیڈ ماسٹر احمد حسین صاحب تھے جو چوہدری غلام رسول صاحب شوقؔ ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن سے کسی وجہ سے ناراض تھے۔ میرے پاس اخبار الفضل آتا اور تقریباً سب کو معلوم تھا کہ مَیں احمدی ہوں۔ اس سکول میں ایک گیانی صاحب بنام حاکم سنگھ صاحب تھے۔ جن سے میرے بہت اچھے مراسم ہو گئے۔ اُنہیں میں تبلیغ بھی کیا کرتا تھا۔ ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر مَیں انہیں اپنے ساتھ قادیان لے گیا۔ اپنے گھر مہمان رکھا اور حضرت اقدس سے اُن کی ملاقات بھی کرائی۔ مگر وہ کچھ زیادہ اسلام کی طرف مائل نہ ہوئے۔ ایک اور سکھ انگلش ٹیچر ماسٹر کرتار سنگھ صاحب کو مَیں نے پہلے یسّرنا القرآن پڑھایا پھر قرآن ناظرہ شروع کرایا۔ بعض بعض آیات کا ترجمہ اور اُن کی تفسیر بھی بتایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سورۃ نساء کی وہ آیات جن میں بیاہ شادی کا ذکر ہے میں اُنہیں ترجمہ کر کے بتا رہا تھا اور گیانی صاحب بھی پاس بیٹھے تھے اور چونکہ گرنتھ صاحب اور جنم ساکھیوں میں اس قسم کی کوئی تعلیم باوا نانک صاحب کی درج نہیں ہے جس میں بیاہ شادی کے بارے میں احکام ہوں وہ دونوں حسرت بھرے جذبات سے بول اُٹھے کہ کاش باوا صاحب اس قسم کی تعلیم ہمیں بھی دے جاتے۔ وہاں ایک عربی ٹیچر مولوی غلام محی الدین صاحب ہوا کرتے تھے۔ وہ ہندوؤں اور سکھوں کو قرآن پڑھانے سے بہت چڑتے تھے مگر نہ مَیں اس بات کی پرواہ کرتا تھا اور نہ ہی پڑھنے والے۔

مَیں نے اباجی کو زیادہ تر شیخوپورہ میں تبلیغی مساعی میں مصروف دیکھا۔ انفرادی طور پر مختلف گاؤں میں جا کر تبلیغ کرتے۔ تقریباً ہر چھٹی کے دن گھر پر دس بارہ غیر احمدی دوست موجود ہوتے اور اُن سے سلسلہ گفتگو جاری رہتا۔ مناظرے بھی

سب سے زیادہ وہیں سُنے۔ ابّاجی نے اس سلسلہ میں اپنی ڈائری میں لکھا ہے:۔
"رحیم بی بی (خاکسار نسیم سیفی کی والدہ صاحبہ) کی وفات کے بعد میں ۲ ۲ سال باغبانپورہ رہا۔ اور اپریل ۱۹۳۰ء میں میرا تبادلہ شیخوپورہ ہو گیا۔ وہاں جاتے ہی ایک شخص چوہدری رحیم بخش صاحب سے میری ایسی بے تکلفی ہو گئی کہ میں اُن کو اپنا بھائی سمجھنے لگا۔ اور وہ مجھ کو۔ مَیں بے تکلف اُن کے گھر جاتا تھا اور وہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ہمارے گھر کے سوا کہیں نہ جاتے۔ شیخوپورہ میں اس خاکسار کو جماعتی کاموں میں بھی حصّہ لینے کے خاطر خواہ مواقع ملے۔ جاتے ہی کچھ دنوں بعد مجھے امام الصلوٰة بنایا گیا اور ساتھ ہی مَیں جماعت میں سیکرٹری تبلیغ مقرر ہو گیا۔ ارد گرد کے گاؤں میں تبلیغی وفود جاتے اور خوب تبلیغ کرتے جس سے ضلع بھر میں شور مچ گیا۔ چنانچہ لوگوں نے ہماری شکایت ضلع کے ڈی ایس پی کو کردی کہ ان کو تبلیغ سے روکا جائے ورنہ فساد ہو جائے گا۔ جب معاملہ کسی قدر نازک صورت اختیار کر گیا تو مَیں نے مکرم محترم سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو اس کی اطلاع دی اور اُن کی خدمت میں عرض کی کہ وہ ڈی ایس پی سے ذاتی ملاقات کرکے معاملہ کو سُلجھانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ وہ شیخوپورہ تشریف لائے۔ ڈی ایس پی سے ملاقات کی اور فیصلہ یہ ہوا کہ باہر سے اگر کوئی بلائے تو آپ جائیں اور اس کی تحریری درخواست اپنے پاس رکھیں پھر گورنمنٹ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس کے بعد مَیں نے شیخوپورہ کی جامع مسجد کے امام کو عربی زبان میں خط لکھا مگر وہ بے چارہ اس قدر کم علم تھا کہ میرے خط کے بعض الفاظ کے معانی بھی نہ جانتا تھا۔ خط کے جواب میں اُس نے صرف یہ کہا

کہ اگر آپ مجھے ۶۰/ روپے ماہوار دلادیں تو میں آپ کے سلسلہ میں داخل ہو کر تبلیغ کیا کروں گا۔ مگر میں نے اُن کی یہ پیش کش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ بھاڑے کے ٹٹوؤں کی کوئی ضرورت نہیں۔

گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ میں لدھیانہ کا انگلش ٹیچر بنام عبدالرحمٰن ہؤا کرتا تھا۔ وہ بڑا ضدی اور احمدیوں کا معاند تھا اُس نے ایک مولوی فاضل پاس کو شیخوپورہ کے مسلمانوں کے ایک پرائیویٹ سکول میں تدریس کے لئے بلایا۔ چنانچہ اُس کی آمد پر میں نے علمائے شیخوپورہ کو نزول مسیح کے متعلق دس سوالات کے عنوان سے ایک تفصیلی خط لکھا۔

شیخوپورہ میں جب مناظرے کے لئے غیر احمدی علماء آتے تھے تو ابا جی میری اور چند اور لڑکوں کی سلسلہ کا لٹریچر تقسیم کرنے کی ڈیوٹی لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم یہ لٹریچرلے کر اُن علماء کے پاس پہنچتے اور کچھ دیر اُن سے غیر رسمی سی گفتگو بھی ہوتی۔ بعض اوقات ان مناظروں میں تلخی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ مناظرہ ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے احمدیہ سٹیج کی طرف پتھر برسائے جانے لگتے اور مناظرہ ختم کرنا پڑتا۔

مولوی عبداللہ معمار اور مولوی محمد حسین کولوتارڑ سے محترم ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ اور مکرم مولانا محمد سلیم صاحب کے مناظرے ابھی تک کانوں میں گونج رہے ہیں۔ وہاں ایک عیسائی استاد پنڈت میلارام ہؤا کرتے تھے۔ جو شیخوپورہ کے پاس ہی کسی جگہ ملازم تھے۔ وہ اکثر شیخوپورہ آتے اور مسجد میں ابا جی کے ساتھ مناظرانہ گفتگو کرتے۔ ایک دفعہ ان کا مناظرہ محترم خادم صاحب

سے ہُوا۔ انہوں نے خود تو کھُل کر بے باکی سے باتیں کر لیں۔ لیکن جب خادم صاحب نے جواب دینا شروع کیا تو وہ اپنی کتابیں اُٹھا کر پنڈال سے باہر نکل گئے اور واپس روانہ ہو گئے۔ محترم خادم صاحب جواب دیتے رہے حتیٰ کہ جب پنڈت میلا رام کچھ فاصلہ پر پہنچ گئے تو محترم خادم صاحب میز پر کھڑے ہو کر اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اپنی ساری باتوں کا جواب تو سُن جاؤ۔ مجھے یاد ہے کہ اس مناظرے کے وقت محترم سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ بھی وہاں موجود تھے۔

ہمارا ایک جلسہ ایک ایسی جگہ پر ہُوا جہاں قریب ہی سکھوں کا گوردوارہ تھا۔ محترم گیانی واحد حسین صاحب نے سکھ مذہب کے متعلق تقریر فرمائی اور قرآن مجید کے بے مثل ہونے کا ذکر فرمایا۔ ابھی یہ تقریر ہو ہی رہی تھی کہ سکھوں نے ایک کاغذ پر اُوٹ پٹانگ سی باتیں لکھ کر تقسیم کرنا شروع کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے سورۃ فاتحہ سے بہتر ہے۔ غرض شیخوپورہ میں مجھے یاد ہے کہ تبلیغی میدان میں سب دوست مِل جُل کر بہت کام کرتے تھے اور مَیں نے پہلی دفعہ کسی علاقہ میں صحیح طور پر تبلیغ ہوتے وہیں دیکھا۔ جب ابّاجی امرتسر کے سکول میں متعین تھے۔ وہاں کے امیر صاحب مکرم ڈاکٹر قاضی منیر احمد صاحب سے اُن کے گہرے مراسم ہو گئے اور اُن کے ساتھ مِل کر تبلیغی مساعی جاری رکھیں۔ محترم قاضی صاحب ابّاجی کے اس قدر مدّاح ہو گئے کہ اپنی عمر کے آخری حصّہ تک ابّاجی سے اُن کی خط و کتابت جاری رہی اور وہ جب کبھی ربوہ تشریف لاتے ہمارے گھر آ کر ابّاجی سے ضرور ملتے۔ خطوط کے

ذریعہ بھی اباجی کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ عمر کے آخری حصّہ تک وہ غیر از جماعت دوستوں کو تبلیغی خطوط لکھتے رہے۔ کچھ عرصہ ہُوا راولپنڈی کے کسی مصباح الدین صاحب نے ایک کتاب خاتم النبیین لکھی۔ جب یہ کتاب اباجی کی نظر سے گزری تو انہوں نے مصنّف کے نام خط لکھا جو کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شائع شُدہ ہے۔ اسی طرح ۱۹۷۴ء میں آپ نے ڈاکٹر عبدالسّلام صاحب خورشید (مولانا عبدالمجید سالک صاحب کے فرزند اور معروف صحافی) کو لکھا کہ وہ اُن سے قلمی دوستی کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ وہ قلمی دوستی کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ فارسی اور عربی تعلیم کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے لکھا: "آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ فارسی کسی قدر جانتا ہوں۔ عربی نہیں پڑھی۔ اللہ کے فضل وکرم سے قرآن کریم کے مطالب سے آگاہ، احادیثؐ کا معمولی مطالعہ کر رکھا ہے۔ دینیات میرا موضوع نہیں۔ اس لئے ایسے معاملات میں علمائے کرام کی رائے پر تکیہ کرتا ہوں"۔ اس کے جواب میں اباجی نے جو کچھ لکھا اُس کا جواب مکرم ڈاکٹر صاحب نے یوں شروع کیا۔ "مَیں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کئے۔ اس لئے جوابی پوسٹ کارڈ کے مضمون سے سمجھ چکا تھا کہ آپ مناظرہ بازی فرمانا چاہتے ہیں۔ اس لئے مَیں نے آپ کو ایسا ہی جواب بھیجا جس کے آپ مستحق تھے۔ اب آپ کا خط ملا تو میرے پہلے خیال کی تصدیق ہوگئی"۔ خط کے آخیر پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا۔ کیسا اچھا مسلمان ہوں یا نہیں ہوں اس پر آپ کا فتویٰ نہ مطلوب ہے نہ مرغوب۔

قلمی دوستی کے سلسلہ میں آپ نے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کو بھی لکھا کہ بیرونی ممالک کے کسی دوست کا نام اور پتہ دیا جائے تاکہ ان سے تبلیغی خط و کتابت کی جائے۔ مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے قائد قلمی دوستی نے محترم والد صاحب کو درج ذیل خط لکھا :-

"آپ کا خط مورخہ ۷۷/۲/۱۶ موصول ہوا۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ غیر ممالک (میں) دوستوں کے ساتھ قلمی دوستی کے خواہش مند ہیں۔ آپ کو مندرجہ ذیل دوست کا ایڈریس بھجوایا جا رہا ہے۔ آپ ان سے خط و کتابت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور اُن کے لئے بھی بہت بابرکت کرے۔ آمین۔"

اور امریکہ کے مسٹر ایم۔ ای۔ اے جمال صاحب کا پتہ دیا۔

سید سلیمان صاحب ندوی سے بھی آپ نے تبلیغی سلسلہ میں خط و کتابت کی۔ یہ خط و کتابت اَب کتابی صورت میں "سید سلیمان ندوی سے میری خط و کتابت" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ کتابی صورت میں چھپنے سے پہلے ریویو آف ریلیجنز (اُردو) میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے متعلق باقی آراء تو بعد میں پیش کی جائیں گی۔ یہاں صرف ایک رائے کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مئی ۱۹۶۴ء میں نائیجیریا سے واپس آیا تو ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد (مسجد مبارک ربوہ) محترم چوہدری علی محمد صاحب بی اے۔ بی ٹی مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ کو حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری یاد کیا کرتے ہیں۔ آیئے آج پہلے انہی سے ملاقات ہو جائے۔ جب ہم دونوں محترم حافظ صاحب کی خدمت

میں پہنچے تو آپ نے ایک واقعہ سُنایا۔ واقعہ یہ تھا۔" حافظ صاحب فرمانے لگے کہ قادیان میں ایک روز کوئی شخص آیا اور اُس نے مجھے آپ کی نظموں کی کتاب اشارے اور ایک خط دیا اور یہ چیزیں دیتے ہی وہ شخص واپس چلا گیا۔ میں نے جب خط کھولا تو دیکھا کہ لکھنے والے کا نام عطا محمد ہے۔ یہ نام کچھ اس لئے مانوس معلوم ہُوا کہ انہی دنوں ریویو آف ریلیجنز میں میں نے کچھ مضامین پڑھے تھے۔ جن کے تحریر کرنے والے کا یہی نام تھا۔ وہ مضامین پڑھ کر میں خوش بھی ہُوا اور حیران بھی۔ حیرانگی اس بات کی تھی کہ میری زبان، میرا محاورہ اور میری طرز تحریر ان مضامین سے پُوری طرح جھلکتی تھی۔ اس وجہ سے میرے دل میں اس شخص کو نہ جاننے کے باوجود ایک اُنس پیدا ہوگیا تھا۔ میں نے خط پڑھتے ہی ایک شخص کو دوڑایا کہ جا کر اس خط لکھنے والے کو بُلا لائیں۔ لیکن وہ دُور جا چکے تھے اس لئے مل نہ سکے اور میں آج تک اُن سے ملنے کی خواہش کے باوجود مل نہیں سکا۔ لیکن میرے دل میں اُن کی اس تحریر کی وجہ سے بڑی قدر ہے۔ میں نے کئی دفعہ کوشش کی ہے کہ ملاقات ہو لیکن ملاقات ہو نہیں پائی۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید وہ مجھ سے ناراض ہوں۔ کیونکہ وہ آپکی کتاب اشارے مجھے اس لئے دے کر گئے تھے کہ میں اُس پر تبصرہ کروں۔ لیکن میں نے سوچا کہ ایک احمدی شاعر پر ایک احمدی شاعر کا تبصرہ شاید اتنی اہمیّت نہ رکھتا ہو جتنا کہ غیر از جماعت شعراء کا تبصرہ۔ چنانچہ میں نے آپ کی کتاب کا ایک ایک ورق ہندوستان کے مشہور شاعروں کو تبصرہ کے لئے بھیج دیا۔ جوابات آئے پڑے ہیں۔ لاہور میں میرے کاغذات میں موجود ہیں۔ کبھی کاغذات یہاں آسکے تو آپ کو دکھاؤنگا۔"

میں سمجھتا ہوں کہ اباجی کے ان مضامین پر جو کتابی صورت میں سید سلیمان ندوی سے خط و کتابت کے نام سے چھپے۔ یہ تبصرہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری ہماری جماعت میں چوٹی کے ادیب تھے۔ اور ہندوستان بھر کے شاعروں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ سلسلہ کی بہت سی اہم کتابیں زبان کی درستی کے لئے اشاعت سے قبل انہیں دکھائی جاتی تھیں۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے اس خط و کتابت پر دیگر احباب کے تبصرے بعد میں پیش جائیں گے۔

جب قادیان سے ہجرت ہوئی تو اباجی خاکسارہ کی بیوی اور بچوں کے ساتھ حافظ آباد میں مقیم ہوئے۔ وہاں بھی آپ نے اپنا تبلیغی مشغلہ جاری رکھا۔ چنانچہ وہاں کے ایک شخص کو چند ایک سوالات لکھ کر دیئے کہ وہ اُن کے جوابات اپنے مولوی صاحبان سے لا دے۔ وہ سوالات حافظ آباد کی مساجد کے اماموں سے ہو کر گوجرانوالہ گئے اور وہاں سے لاہور۔ جیسا کہ اباجی نے ڈائری میں تحریر کیا ہے اُن کے جوابات سائل کو کہیں سے دستیاب نہ ہوئے۔

خدمتِ دین کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بارہا آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آپ گھر بار چھوڑ چھاڑ کر دُنیا بھر میں گھومیں اور احمدیت کے پیغام کی منادی کریں۔ ۱۹۴۵ء میں آپ نے مولانا محمد شریف صاحب کو ایک خط میں لکھا (مولانا صاحب اُن دنوں بلادِ عربیہ میں تھے)

"عزیزم نور محمد صاحب کے وقف منظور ہونے کے متعلق آپ نے

جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور جس خلوصِ دل سے مبارک باد پیش کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اُس کی اعلیٰ سے اعلیٰ جزا عطا فرمائے اور نیز ہم سب کو اس مبارک باد کا مستحق آمین ثم آمین۔ عزیزا میری اپنی بڑی خواہش ہے کہ میں شہر بہ شہر قرآن کریم پڑھ کر سُناتا پھروں اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی تمام جہان میں منادی کرتا پھروں اور اس کے لئے مَیں نے مولوی نذیر احمد صاحب (علی) جو حال ہی میں دارالامان پہنچے ہیں مشورہ بھی کیا تھا مگر انہوں نے صرف ایک ہی بات پر زور دیا کہ مجھے افریقہ جانا چاہیئے۔ اور وہاں ایسے آدمی کی بڑی ضرورت ہے جو قرآن پڑھ کر مختصر سی تفسیر بیان کر سکے جب مَیں نے کمزوریٔ نگاہ کا عذر کیا تو کہنے لگے میرے ساتھ چلیں مَیں ہرگز کوئی تکلیف نہ ہونے دونگا اور وہاں جاکر اپنے کسی سکول میں ہیڈ ماسٹر بن جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے متعلق مَیں نے عزیزم نور محمد صاحب سے مشورہ پوچھا تھا مگر چونکہ ان کو ہمارے خطوط ملتے ہی نہیں۔ اس لئے جواب جلد نہ مل سکا۔ اگر ہو سکے تو آپ اپنی رائے سے آگاہ کر کے مجھے شکر گزاری کا موقع دیں۔"

جب مکرم چوہدری شریف احمد صاحب باجوہ امریکہ میں مبلغ انچارج تھے تو انہوں نے امریکہ میں قرآن مجید کی تعلیم کے لئے وکالت تبشیر تحریک جدید کو بھی تجویز بھیجی تھی کہ اباجی کو وہاں بھجوا دیا جائے۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کو اس بات کا علم ہؤا تو آپ نے اباجی کو مبارک باد کا خط لکھا۔ اگرچہ بعد میں بعض وجوہ کی بناء

پر (جن میں سے ایک وجہ غالباً جامعہ احمدیہ میں غیر ملکی طلباء کو اردو پڑھانے کی ضرورت تھی۔) آپ امریکہ نہ جا سکے۔



آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب جامعہ احمدیہ میں اباجی سے اُردو کی تعلیم کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں

۴

اگرچہ اباجی چاہتے تو مختلف موضوعات پر متعدد کتب تصنیف کر سکتے تھے۔ لیکن ادھر انہیں زیادہ توجہ پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی ایک وجہ تو غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی جیب سے کتاب کا چھپوانا مشکل تھا اور پبلشر سے بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ سب سے پہلی کتاب جو انہوں نے گورداسپور میں قیام کے دوران لکھی وہ گرامر اور مضمون نویسی پر مشتمل تھی جو گورداسپور ہی کے کسی کتب فروش نے شائع کی تھی۔

مولوی عبداللطیف صاحب شہید کتب فروش کی فرمائش پر درثمین فارسی کا ترجمہ بامحاورہ اردو زبان میں کیا۔ یہ مسودہ مکرم مولوی عبداللطیف صاحب شہید کے کاغذات ہی میں پڑا ہے۔ اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ اگر کبھی مجھے یہ مسودہ مل گیا تو انشاء اللہ اسے شائع کر دیا جائے گا۔ یہ ترجمہ مکمّل کرنے پر اباجی نے مندرجہ ذیل اشعار موزوں کئے۔

بحمد اللہ کہ ترجمۃ الکتابم ؛ مکمّل شد بفضلِ آنجنابم
شہید از تشنہ کامی جاں بلب بود ؛ بکاہش ریخت قدرت شہد نابم
من از وے جز دُعائے صبحگاہی ؛ دگر مزدے نمی خواہم کہ یابم
طفیلِ مہدیٔ مسعود یارب ؛ گناہانم بہ بخشی بے حسابم

سیّد سلیمان ندوی صاحب سے خط و کتابت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق اور ایسی ہی دوسری تحریروں کے متعلق ابّاجی نے ۱۹۶۶ء میں یہ وصیت کی تھی۔

"میں اپنی اولاد خصوصاً نورمحمد نسیم سیفی کو بطور تاکید وصیت کرتا ہوں کہ میری وفات کے بعد میری تمام تحریرات کو جو ریویو آف ریلیجنز اردو میں شائع ہو چکی ہیں۔ کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ بشرطیکہ میں اپنی زندگی میں یہ کام نہ کر سکوں۔"

اس کام کا ایک حصّہ تو اللہ کے فضل سے ابّاجی اپنی زندگی میں ہی پورا کر گئے۔ یعنی سیّد سلیمان ندوی صاحب سے خط و کتابت کو کتابی صورت میں شائع کروا گئے۔ اس کے علاوہ ایک دو اور خاص اہم تحریریں ہیں جو ابھی شائع کی جانے والی ہیں۔ یہ تحریریں انشاء اللہ عنقریب شائع کی جائیں گی۔ سیّد سلیمان ندوی صاحب سے خط و کتابت کے متعلق بعض آراء ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱)

"خاکسار کو مکرم محترم ماسٹر عطا محمد صاحب کا کتابچہ بنام "سیّد سلیمان ندوی سے میری خط و کتابت" پڑھنے کا موقع ملا۔ مکرم ماسٹر صاحب نے جس جذبہ اور جوش سے پیغامِ صداقت پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس کیفیّت کی عکاسی کرتا ہے جو ہمارے بزرگوں میں پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کو بہت لوگوں

کے لئے علم و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ والسلام۔ خاکسار سیّد محمود احمد ناصر۔"

(۲)

آپ کی کتاب "سیّد سلیمان صاحب ندوی سے میری خط و کتابت" مَیں نے شروع سے آخر تک پڑھی ہے۔ آپ کے لئے تو سیّد وجاہت حسین صاحب کے تین سوالات اور سیّد سلیمان صاحب ندوی کے جوابات یہ کتاب لکھنے کا ایک بہانہ بن گئے لیکن میرے لئے یہ سوال و جواب ایک عمدہ، پُر از معلومات کتاب پڑھنے کا بہانہ بن گئے۔

یہ کتاب کیا ہے۔ آپ نے تو کوزہ میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ ہمارے لٹریچر میں جو دلائل اجراء نبوّت کے مسئلہ کے متعلق موجود ہیں۔ آپ نے ان کا خلاصہ نہایت دل کش انداز میں پیش کر دیا ہے۔

سیّد سلیمان صاحب ندوی کی رعایت سے آپ کی تحریر میں جو ادبی چاشنی رکھی گئی ہے وہ نہ صرف ایک مفکّر، ایک محقق بلکہ ایک ادیب کے لئے بھی دلچسپی کے سامان مہیّا کرتی ہے۔

آپ نے اپنی کتاب میں ہر قسم کے دلائل کی بھرمار کر دی ہے۔ تحقیقی دلائل، الزامی جوابات، غرض کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں رکھا۔

سیّد سلیمان صاحب ندوی نے تو آپ کی کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کی نیک نیتی کی بدولت ان کی نسل میں سے بہت سی سعید روحیں احمدیت کو قبول کر کے اس امر کی شہادت دیں گی کہ جو صداقت کا بیج آپ نے ان کے جدامجد کے دل و دماغ میں بویا تھا ان کی اولاد نے

اسے پروان چڑھایا۔
آپ کی یہ تصنیف یقیناً آپ کے لئے صدقہ جاریہ کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے فیض سے آئندہ آنے والی نسلیں ہمیشہ مستفیض ہوتی رہیں گی اور آپ کی رُوح کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔
والسلام۔ خاکسار۔ محمد احمد ثاقب (پروفیسر جامعہ احمدیہ)

(۳)

"مَیں نے جناب ماسٹر عطا محمد صاحب بی۔اے فاضل کی کتاب مولوی سیّد محمد سلیمان صاحب ندوی سے جناب ماسٹر صاحب موصوف کی خط و کتابت پڑھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے کہ جماعت احمدیہ کے کسی بھی فرد سے علمی مقابلہ اور مناظرہ کرنے میں بڑے سے بڑا مولوی بھی دلائل کے میدان میں عاجز آجاتا ہے۔
سیّد صاحب نے ابتدائی مرحلے میں ہی ماسٹر صاحب کے خط کے جواب میں اپنی تہی دستی اور عاجزی کا اظہار فرما کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ فرمایا آپ نے کہ جناب ماسٹر صاحب آپ ان لمبے مناظروں میں نہ پڑیں۔ آپ میری فلاں فلاں کتاب پڑھیں۔ اور اس کے بعد تو خاتم النبیین کی بحث میں ایسے پھنسے کہ اس دلدل سے نکلنا مشکل ہوگیا۔ جناب ماسٹر عطا محمد صاحب کا اسلوبِ بیان اور استدلال کا طریق ایسا معقول اور موزوں تھا کہ مولانا صاحب آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ آخر میں مولوی صاحب کے ایک حواری لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا تو دَورے پر گئے ہوئے ہیں۔ نہ معلوم کب واپس لوٹیں۔ گویا جناب مولوی صاحب

کو ایسے دورے پڑے کہ واپس گھر نہ پہنچ سکے۔ غرض کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔ اس کے مطالعے سے احمدی احباب کی معلومات میں اضافہ بھی ہوگا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظم و نثر کے اقتباس سے ایمان بھی تازہ ہوگا۔ جو کہ کتاب میں جناب ماسٹر صاحب نے درج فرمائے ہیں۔ کتاب دیدہ زیب۔ لکھائی۔ چھپائی اعلیٰ ہے۔

فقط۔ خاکسار۔ محمد شفیع اسلم مبشر اسلام
سابق امیر المجاہدین ملکانہ شدھی"

(۴)

"خاکسار نے آں مکرم کا رسالہ بغور پڑھا جس میں آپ نے سید سلیمان صاحب ندوی سے مسئلہ خاتم النبیین پر خط و کتابت کی تھی۔ آپ کے دلائل نہایت وزنی اور ٹھوس ہیں۔ اور عین عقل و نقل کے ماتحت ہیں۔ سید صاحب موصوف برصغیر کے مشہور و معروف عالم۔ ادیب اور مورّخ تھے۔ لیکن ان کے جوابات سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ حق شناسی علم و فضیلت کے ماتحت ہو۔ بلکہ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ جب تک انسان کا دل خشیت الٰہی سے معمور نہ ہو علم و فضل کام نہیں آتا۔ آپ نے انہیں خوب رگیدا ہے۔ سید صاحب نے تو کوشش کی تھی کہ آپ کو لسان العرب اور دیگر لغات کی بھول بھلیوں میں لے جا کر حیران کریں۔ لیکن آپ نے بھی انہیں انہی بھول بھلیوں میں جا پکڑا۔

آپ کا رسالہ پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے جو لکھا تائیدِ الٰہی سے لکھا۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو بہتوں کے

لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین فقط والسلام۔ خاکسار
محمد اکرم خان غوری عفی عنہ''۔

(۵)

''آں مخدوم کی گرانقدر تالیف ''سید سلیمان صاحبہ ندوی سے میری خط و کتابت'' موصول ہوگئی۔ آپ کی نظر کرم اور نگاہِ شفقت کا شکریہ ادا کرنے کو الفاظ نہیں پاتا۔ جزاکم اللہ۔ ثم جزاکم اللہ۔
اللہ تعالیٰ آپ بزرگوں کا سایۂ رحمت و برکت قائم و دائم رکھے۔
مجاہد افریقہ مولانا سیفی صاحب کی خدمت میں ہدیہ سلام۔ والسلام
طالب دعا۔ دوست محمد شاہد۔ انچارج شعبہ تاریخ احمدیت''

(۶)

''مرسلہ تحفہ کتاب مستطاب آج ملا جزاکم اللہ تعالیٰ واحسن الیکم فی الدنیا والآخرۃ۔ کل کی ڈاک سے یہی عظیم القدر تحفہ برادرِ معظم سیفی صاحب کا مرسلہ شرفِ صدور لایا۔ جب تک کتاب ختم نہ ہوئی ہاتھ سے علیحدہ نہ ہوسکی۔ سطر سطر پر جزاک اللہ اور احسنتَ و مرحبا کے نعرے اعماقِ قلب سے جاری رہے۔ اس موضوع پر بے شمار مضامین موافق و مخالف نظر سے گذر چکے ہیں لیکن آپ نے اچھوتے اور نہایت دلچسپ انداز میں وضاحت کا حق ادا کر دیا۔ جچے تُلے شیریں اور دل سے نکل کر دل میں اُتر جانے والے الفاظ اور کہنہ مشق ادیب کی مسحور کُن عبارات نے دل و دماغ کو معطر کر دیا۔ الحمدللہ کہ یہ نایاب تحفہ اشاعت پذیر ہوا۔

بفضلہ تعالےٰ ہمارے سلسلہ کے علمی لٹریچر میں انشاء اللہ رہتی دُنیا تک زندہ جاوید رہے گا۔

حکایاتِ سعدیؒ کا ترجمہ بھی سلیس اور با محاورہ اُردو زبان میں اباجی نے کیا تھا۔ جو قسط وار لجنہ اماء اللہ کے رسالہ مصباح میں ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۶ء تک چھپا۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ یہ بھی کتابی صورت میں شائع کی جائیگی۔

اباجی کے کاغذات میں طبّی نسخوں کی ضخیم کاپیاں بھی موجود ہیں۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان میں سے اچھے اچھے نسخوں کا انتخاب کر کے کتابی صورت میں چھپوا دیا جائے۔ چونکہ پاکستان آنے کے بعد انہوں نے اپنے فارغ وقت کو بہتر مصرف میں لانے کے لئے صابن سازی اور پھلوں اور سبزیوں کو محفوظ رکھنے کا کورس بھی کر لیا تھا۔ جس کی انہیں ۱۹۵۴ء میں سند ملی تھی۔ وہ صابن سازی پر بھی ایک کتاب شائع کرنے کے متمنّی رہتے تھے۔ اُن کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ کوئی شخص فارغ نہ رہے۔ اور ہر شخص چاہے کوئی کام کرے لیکن اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے۔

۵

اگرچہ آپ نے باقاعدہ طور پر نظم کہنے کا مشغلہ اختیار نہیں کیا تھا لیکن اس کام کے لئے ان کی طبیعت اتنی موزوں تھی کہ اگر وہ چاہتے تو نامور شعراء میں شامل ہو سکتے تھے۔ گاہے گاہے شعر کہتے تھے لیکن صرف موقع کی مناسبت کے ساتھ غالباً انہوں نے کبھی ایک شعر بھی اس لئے نہیں کہا ہوگا کہ صرف شعر کہنا ہے۔ پنجابی، اُردو اور فارسی تینوں زبانوں میں مختلف مواقع پر آپ نے شعر موزوں کئے۔ شروع میں آپ نے فارسی زبان میں نظمیں کہیں۔ پھر پنجابی میں اور اس کے بعد اُردو میں۔

۱۹۱۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے درج ذیل فارسی نظم کہی اور یہ نظم الفضل میں شائع ہو گئی۔

قصیدہ در مدح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

اے آنکہ از خداست اولوالعزم نامِ تو
برتر ز فکر و وہم من عالی مقامِ تو

بہتر ز آبِ چشمۂ حیواں ہزار بار
یک قطرۂ معارفِ قرآں زجامِ تو

رُوحِ رواں بقالبِ بے رُوح می دہد
معجز نما و پُر ز معارف کلامِ تو

آزادگاں پرند بجوشش و ہوائے نفس
خوش قسمت آں کہ ہست گرفتارِ دامِ تو

دشمن ہزار بار دہندت پیامِ جنگ
دیں طرفہ تر کہ صلح و مدارات کامِ تو

از شرّے دشمناں ضررے چُوں رسد ترا
زیرا کہ بر منارِ بلند است گامِ تو

ناکام و نامراد کند دشمنانِ تو
وز لُطف و جود خویش برآرد مرامِ تو

وابستہ دار دامنِ ما را الفضلِ عمر
یارب جُدا مباد ز سلکِ نظامِ تو

غم نیست زینکہ جامۂ دلق است در برم
نازم بریں کہ زرہِ صدقم غلامِ تو

ایں است مدعائے عطا از جنابِ پاک
باشد صلائے فتح نمایاں بنامِ تو

سنہ ۱۹۱۷ء ہی میں میری پیدائش پر درج ذیل شعر موزوں کیا:

به بیں ایں لطف و جُودِ آں خداوند
عطا را کرد عطا فرزندِ دلبند

سنہ ۱۹۱۹ء میں اپنی بیماری سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا

خدا ہی فضل کرے گا تو بچ رہیں گے عطا
وگرنہ موت کے دن اب تو ہیں قریب قریب

آپ نے ٹریننگ کالج میں تعلیم کے دوران ایک روز درج ذیل رباعی بورڈنگ ہاؤس کے نوٹس بورڈ پر لکھی:

گرت کنوں تہ ران است ابلقِ ایّام
چو آخرت بسر افتادن است چیزے نیست
عطا اطیع کہ بطاعت رسی اوجِ کمال
کہ غیرِ طاعتِ حق ہر چہ ہست چیزے نیست

اس رُباعی کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایک اور فاسی نظم بعنوان "حضور امام علیہ السلام کے ایک نظرِ کرم کی التجا" درج ذیل ہے:

جاں سپردہ دل بدستت دادہٗ ؛ وز حضورت دور تر افتادہٗ
تشنۂ آبِ زلالِ التفات ؛ بر کنارِ ساحلے استادہٗ
پیرہن صد چاک از جوشش جنوں ؛ تن بعریانی سراسر دادہٗ
نارسیدہ دست بر فتراکِ صبر ؛ بر ہلاکِ خویشتن آمادہٗ
شہرۂ آفاق در تر دامنی ؛ ننگ و نامِ خود بعصیاں دادہٗ

کیسۂ رازِ درونش مہر بمہر ؛ لب بحرفِ نا سزا نکشادہ
ناخنِ تدبیر را گم کردہ ؛ صد گرہ در کارہا افتادہ
عرضہ دارد بر تو حالِ خویشتن ؛ راہ گم کردہ است یتما جادہ
اے کہ مستغنی ز مدح چوں منے ؛ پا بمینارِ بلند افتادہ
مردگاں را از لبِ جاں بخشِ خود ؛ تازہ تر رُوح و روانے دادہ
ساقیٔ میخانۂ یارِ ازل ؛ تشنہ کاماں را صلائے دادہ
چارۂ کارم بدستت دادہ اند ؛ ایکہ گیری دست بر افتادہ

از کرم سُوئے عطا کُن یک نظر
وز خمِ جاں بخش درِدہ بادہ

بھکّر میں قیام کے دوران جیسا کہ آپ نے لکھا ہے بچّوں کی یاد اور قادیان کی مسلسل جدائی سے دل بے قرار ہو گیا تو ۲۲؍ جون ۱۹۲۵ء کو چند اشعار موزوں کئے جو درج ذیل ہیں:-

کیا ہوئے گھر کے وہ دَر و دیوار ؛ قادیاں میں تھی جن کی طُرفہ بہار
چُھٹ گیا ہائے مجھ سے میرا وطن ؛ چھٹ گئی ہائے مجھ سے میری دیار
گو وہی دن ہیں اور وہی راتیں ؛ پر نہیں قادیاں کے لیل و نہار
کہاں دارالاماں کہاں بھکّر ؛ کہاں سبزہ کہاں یہ گرد و غبار
کہاں بادِ نسیم کے جھونکے ؛ کہاں بادِ سموم آتشبار
کہاں باغوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ؛ اور کہاں ریت کے بھلا انبار
کہاں پھولوں کی بھینی بھینی بُو ؛ اور کہاں گندگی کے یہ انبار

کہاں وہ خطۂ بہشتِ بریں ؛؛ اور ہائے کہاں یہ اُجڑی دیار
پے دُنیائے دُوں عطائے چند ؛؛ قدمے چند سُوئے آں بردار
گرندم آورد بہ ملک وجود ؛؛ قطرہ را کند درِ شہوار
نیست از حکم او بردں چیزے ؛؛ توچرا میکنی ازیں انکار
مادرِ مہرباں برحمتِ او ؛؛ طفلکے را بہ پرورد بہ کنار
چیست ایں مال و دولتِ دنیا ؛؛ درر ہش ہم زجاں دریغ مدار

خشک نانے بخور بخانۂ خویش
وز پئے مائدہ مپو زنہار

بھکّر ہی میں ایک دفعہ سکول کی انسپیکشن کے لئے وِلسن صاحب بہادر جو غالبًا انسپکٹر آف سکولنہ تھے کی سکول میں آمد پر آپ نے پنجابی میں ایک نظم موزوں کی۔

میرے بیٹے عزیزم ظفر اقبال سیفی کی پیدائش پر درج ذیل قطع موزوں کیا جس سے تاریخ پیدائش نکلتی ہے جو ۱۳۵۹ھ ہجری ہے۔

شکر للہ کہ در گلستانم
بار آورد دَوحۂ اقبال
چوں بپرسیدمش زطالعِ نَو
گفت ہاتف مہ ظفر اقبال

۱۹۵۰ء میں محترم ملک عمر علی صاحب جو ان دنوں وکیل التبشیر تھے کے ہاں بیٹے کی پیدائش پر اباجی نے جو اشعار موزوں کئے وہ

درج ذیل ہیں :۔

بشکوئے محلّاتِ مبارک :: بفضلِ ایزدی مولود مسعود
خجستہ ساعتے فرخندہ وقتے :: ہمایوں منزلے کیں دُرِّ مقصود
رسید از دستِ محبوبے بدستت :: خدا اُمت ایں چنیں نعمت بیفزود
عطا پرسید چوں از سالِ تاریخ :: پس از اندیشۂ ہاتف بفرمود
چہ می پرسی مرا از طالعِ تو :: کہ طالع بخت و بیدار ست و محمود

ہش ۱۳۲۹ بمطابق ۲۸ اگست سنہ ۱۹۵۰ء

جامعہ احمدیہ میں پکنک کے مواقع پر بعض اوقات آپ شعر موزوں کیا کرتے تھے۔ بعض اشعار جو مزاحیہ رنگ رکھتے ہیں اُن سے طلباء کے لیے آپ کی گہری محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ماہنامہ خالد دسمبر سنہ ۱۹۷۵ء میں درج ذیل مضمون دلچسپی کا باعث ہوگا۔

اَب وُہ بہاریں کہاں ؟

از حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب اُستاذ الجامعۃ الاحمدیہ

حضرت ماسٹر صاحب ــــ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بزرگ صحابہؓ میں سے ہیں، مرنجاں مرنج طبیعت پائی ہے اُن کے دم سے جامعہ احمدیہ کی رونق ہے۔ باوجود پیرانہ سالی کے آپ کی یہ کوشش ہمیشہ رہی ہے کہ جامعہ کی ہائیکنگ پارٹیوں (پہاڑی علاقے میں سفر کرنے والے طلباء) کے ساتھ ضرور جائیں۔ سفر کے دوران طلبہ آپ کی میٹھی میٹھی باتوں سے مسرور بھی ہوتے ہیں اور آپ کے عزم و ہمت کی داد بھی دیتے ہیں ــــ ان ہی سفروں میں سے ایک

سفر کا مختصر تذکرہ آپ کے قلم سے پیش ہے۔ (نسیم مہدی) ایڈیٹر۔

"حضرت میر داؤد احمدؓ مرحوم کی زندگی کا آخری سال تھا۔ میں شروع ہی سے کوشش کر رہا تھا کہ ہائیکنگ پر مجھے بھی ساتھ رکھا جائے۔ جولائی ۱۹۷۲ء کے دوسرے ہفتے ہائیکنگ پارٹی روانہ ہوئی۔ میں صبح کی نماز پڑھ کر ریلوے روڈ کی طرف آ رہا تھا کہ ایک طالب علم جو ہائیکنگ پہ جا رہے تھے۔ سٹیشن کی طرف جاتے ہوئے مجھے مل گئے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون سے استاد صاحب جا رہے ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ ملک غلام نبی صاحب انچارج ہیں۔ ملک صاحب کا نام سُن کر باچھیں کھِل گئیں، اور میں جلدی سے گھر پہنچا اور ایک دو کپڑے لے کر سٹیشن کی طرف بھاگا۔ میں نے پلیٹ فارم پہ پہنچ کر ایک لڑکے کو ٹکٹ لانے کے لئے پیسے دیئے اور اطمینان سے گاڑی میں سوار ہو گیا۔ گاڑی راولپنڈی پہنچی تو ہم سب مسجد نور میں چلے گئے وہاں بازار سے کھانا کھا کر مری پنڈی بس سروس میں مری کے لئے روانہ ہو گئے وہاں "خیبر لاج" میں ایک دو گھنٹے ٹھہر کر بھوربن کی طرف روانہ ہوئے جو وہاں سے ۸ میل دُور ہے۔ وہاں ہم گہری شام کے وقت پہنچے۔ کھانے اور سونے کا انتظام نہایت ناقص تھا جس سے بڑی تکلیف ہوئی۔ اگلے دن وہاں سے ایوبیہ کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں ہیڈ ماسٹر صاحب نے مہربانی فرما کر ایک خالی کمرہ ہمیں دے دیا۔ جس میں ہم نے ایک رات بسر کی اور نتھیا گلی کی طرف روانگی ہو گئی۔ یہاں ملک صاحب نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے مل کر سکول کے دو کمرے خالی کر الئے اور رات بڑے آرام سے بسر کی۔ کھانے کا بھی ہوٹل میں بڑا اچھا انتظام تھا۔ اس کے بعد کالا باغ اور ٹھنڈیانی کے لئے روانہ

ہوئے۔ کالا پانی میں ہمارا قیام غالباً دو دن رہا۔ کچھ طالب علم ٹھنڈا پانی گئے جو وہاں سے ۲ میل کے فاصلہ پر تھا۔ مگر وہاں سردی کے سوا اور کوئی چیز دیکھنے کے قابل نہ تھی۔ لہذا وہاں سے پنڈی اور پنڈی سے واپسی بذریعہ ریل کار ہوئی۔

اس سفر میں جو موقع بہ موقع شعر کہے گئے وہ تفننِ طبع کے طور پر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

بھوربن :-

شامتِ اعمال لائی بھوربن
اور اس کے ساتھ ہی رنج و محن
کھانے پینے اور سونے کے لئے
گو وہی منزل تھی لیکن از حد کٹھن

ایوبیہ :-

گھر میں جو آرام و راحت کا سماں
وہ بھلا ایوبیہ میں تھا کہاں
ہاں مگر قیوم کا حسنِ سلوک
اس کا اک نعم البدل تھا بیگماں

نتھیا گلی :-

آج ہے نتھیا گلی اپنا قیام
یہ جگہ بہتر ہے اور بہتر طعام

صاف ستھرے مل گئے ہیں کمرے دو

یہ بھی ہے اک بہترین فوزِ مرام

مل ہی جاتے ہیں جہاں میں خال خال

خادمانِ ملتِ خیرالانام

یا الٰہی ایسے خادم ہوں جہاں

تُو ہو ان کا حافظ و ناصر مدام

دین و دنیا میں انہیں کر کامیاب

آخرت میں ان پہ ہو تیرا اسلام

ٹھنڈا پانی

بھورتن کی طرح ہے ٹھنڈا پانی

نہ وہاں کھانے کو نہ ہے پانی

ہے فقط ٹھنڈ کی فراوانی

جو ہے اک موجبِ پریشانی

جب تلک دل کو ہو نہ اطمینان

خالی سردی کو کیا کرے انسان؟

مسکن و ماویٰ ہے نہ جائے قیام

ایسی ٹھنڈا پانی کو ہیں سَو سلام

کالا پانی:۔

ٹھنڈا پانی کے ذکر کو چھوڑو ؛ اس سے بہتر تو کالا پانی ہے

شیخوپورہ میں قیام کے دوران ایک ہندو استاد جو ملتان کے رہنے والے تھے مسلمان اساتذہ کے خلاف باتیں کیا کرتے تھے۔ نظم تو ابّاجی کے کاغذات میں سے نہیں ملی۔ لیکن یہ یاد ہے کہ ابّاجی نے اس استاد کے متعلق ایک نظم کہی تھی جس کا ٹیپ کا مصرعہ یہ تھا۔ ؎

ملتانی لالہ لالہ ہے یا آتش کا پرکالا ہے

مسلمان لڑکے بعض اوقات یہ نظم ذرا اونچی آواز میں بھی گایا کرتے تھے۔

الغرض ابّاجی کی طبیعت شعروسخن کے لئے نہایت موزوں تھی۔ چند ایک نظمیں جو آپ نے کہیں اور جو ریکارڈ میں محفوظ رہ گئیں ان سے آپ کی قادر الکلامی اور موضوعات کے تنوع کا پتہ چلتا ہے۔ بہت کم کہا لیکن بہت اچھا کہا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ زیادہ کہنے میں کوئی خاص خوبی ہے بھی نہیں۔ شعروشاعری کو زندگی بھر کا مشغلہ تو نہیں بنایا جا سکتا اور حضرت مسیح موعودؑ نے اس سے منع بھی فرمایا ہے۔ جب کبھی کسی خاص موقع پر یا بتقاضائے حالات کہنا ہوا کہہ لیا۔ آخر شاعری کوئی پیشہ تو ہے نہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں نے شعر کہنے شروع کئے اور ابّاجی نے میری دو چار نظمیں اِدھر اُدھر چھپتی دیکھیں تو ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ صرف شعر ہی نہیں کہنا کھانے کے لئے روٹی بھی کمانی ہے۔

میرے شعر کہنے کا ذکر آیا ہے تو یہ بات بھی بیان کر دوں کہ جب میں ساتویں جماعت میں تھا تو میں نے ایک چھوٹی سی کاپی بنائی ہوئی تھی جس پر اپنے

اشعار درج کیا کرتا تھا۔ شاعری کا آغاز تو عام طور پر چھپ چھپا کر ہی ہوتا ہے۔ میں نے یہ کاپی اپنی چارپائی پر تکیہ کے نیچے رکھی ہوتی تھی۔ ایک دن اباجی کی اس کاپی پر جو نظر پڑی تو کاپی کو کھول کر دیکھا اور مجھ سے کہنے لگے کہ جب تم آٹھویں جماعت پاس کر لو گے تو تمہیں بتائیں گے کہ شعر کیا ہوتا ہے اور کس طرح کہا جاتا ہے۔ یہ بات کہتے کو تو اباجی نے کہہ دی لیکن اس کے بعد کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ ہماری شعروشاعری کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی ہو۔ البتہ جب میں نائیجیریا میں تھا تو کبھی کبھار میری نظم کہیں چھپنے پر اباجی کسی شعر کی تعریف اپنے خط میں کر دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے محترم حضرت میر محمد اسماعیل صاحب کی رائے بھی مجھے ارسال کی۔ حضرت میر صاحب نے میرا پہلا مجموعہ "اشارے" پڑھ کر فرمایا تھا کہ شعروں کے لئے آسان زبان استعمال کی جائے تو زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

ماہنامہ خالد کے جولائی ۱۹۷۲ء کے شمارہ میں درج ذیل نظم شائع ہوئی:۔

نونہالانِ قوم سے خطاب

تقسیمِ ملک کے بعد ایک دفعہ میں نے بیکاری کے عالم میں ایک درخواست پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر میں ملازمت کے لئے دے دی۔ جس پر مجھے حضور کی ڈاک کا جواب دینے کے لئے دفتر میں لگا لیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں چھ سات چینی طلباء ربوہ آ گئے۔ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان چینیوں کو پڑھانے کے لئے میرا انتخاب فرمایا۔ چنانچہ پہلے تو میں علیحدہ ان کو پڑھاتا رہا مگر بعد میں یہ

جماعت جامعۃ المبشرین میں منتقل ہو گئی اور مَیں جامعۃ المبشرین میں انہیں پڑھاتا رہا۔ یہ سکول ان دنوں حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے قریب ہُوا کرتا تھا۔

ایک دن سکول میں ایک پارٹی منعقد ہوئی جس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما ہوئے۔ اس موقعہ پر خاکسار نے حضور کی خدمت اقدس میں ایک نظم عرض کی۔ اس پر حضور محظوظ ہوئے اور مَیں خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ یہ نظم استفادۂ احباب کے لئے پیش ہے۔ (ماسٹر عطا محمد)

نونہالانِ قوم سے پوچھوں ؛ جی میں آتا ہے آج ایک سوال
فرض کر لو تم ہوئے ایم۔ اے ؛ یا کسی فن میں کر لیا ہے کمال
یہ بھی مانا کہ خوبروئی میں ؛ نہیں رکھتے جہاں میں کوئی مثال
قابلِ رشک تندرستی ہے ؛ پہلوانی میں تم ہو رستمِ زال
تم بفضلِ خدا ہو دُنیا میں ؛ صاحبِ جاہ و منصب و اقبال
ہیں معیشت کے اس قدر ساماں ؛ خوفِ ماضی نہ فکرِ استقبال
حق نے اپنی عنایتوں سے تمہیں ؛ کر دیا ہے جہاں میں مالا مال
الغرض دنیوی وجاہت میں ؛ کوئی تم سا ہو دوسرا ہے محال
لیکن اے نخلِ قوم کی شاخو ؛ جن کے احوال ہیں بریں منوال
باوجود ان تمام باتوں کے ؛ گر نہیں دل میں اس خدا کا خیال
جس نے تم کو یہ نعمتیں بخشیں ؛ جس نے بخشا یہ سارا مال و منال
اس سے ملنے کی گر نہیں خواہش ؛ مقصدِ زندگی ہے جس کا وصال

نہ ہُوا آج گر تو کل ہو گا

ایسے ردّی شجر کا استیصال

ماہنامہ تشحیذ الاذہان ربوہ جون ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں درج ذیل نظم شائع ہوئی :۔

سچائی

سنا ہے کہ لڑکا تھا اک ہونہار ؛ بہت اس کو ماں باپ کرتے تھے پیار
محبت سے دی ایک دن باپ نے ؛ اِک آری اُسے کھیلنے کے لئے
وُہ آری کو لے کر بہت خوش ہُوا ؛ اُسی وقت رستہ لیا باغ کا
وہاں ایک دو پیڑ ایسے بھی تھے ؛ لگائے تھے جو باپ نے شوق سے
ہری ٹہنیاں جس قدر اُن میں تھیں ؛ وُہ آری سے لڑکے نے سب کاٹ دیں
گیا شام کو باپ جب باغ میں ؛ تو اُجڑا ہُوا جا کے پایا اُنہیں
خفا ہو کے بیٹے سے اُس نے کہا ؛ اُجاڑا ہے کس نے انہیں سچ بتا
ڈرا وہ بہت خوف سے باپ کے ؛ مگر جھوٹ بولا نہ کچھ باپ سے
کہا یہ نہیں ہے کِسی کی خطا ؛ جو سچ پُوچھئے تو ہے میری خطا
بہت خوش ہُوا باپ اس بات سے ؛ کیا پیار اور دیں دُعائیں اُسے
عجب طرح کا نیک لڑکا تھا وہ ؛ کہ سچ بولنے سے نہ ڈرتا تھا وہ
تمہیں بھی کسی کا اگر خوف ہو ؛ تو سچ کے سِوا کچھ نہ ہرگز کہو
اگر تم سے ہو جائے کوئی قصور ؛ تو ہے تم کو اقرار کرنا ضرور
خطا کا جو اقرار کرتے ہیں صاف ؛ قصور ان کا ہوتا ہے اکثر معاف

ہمیشہ سچائی کو رکھو عزیز ∴ کہ سچ کے برابر نہیں کوئی چیز

سچ کہو سچ کہو، ہمیشہ سچ ∴ ہے بھلے مانسوں کا ہمیشہ سچ
جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خُو ∴ جھوٹ ذلت کی بات ہے اَخ تھُو

اسی طرح تشحیذ الاذہان اپریل ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں آپ کی درج ذیل نظم بعنوان "بچوں کو چند نصائح" بھی شائع ہوئی:-

ارے پیارے بچو ادھر آؤ تم! ∴ سناؤں جو کچھ تم کو سن جاؤ تم
سویرے علی الصبح اُٹھا کرو ∴ اور اُٹھتے ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہو
کہ اللہ نے ہی سلایا تمہیں ∴ اور آخر اسی نے اُٹھایا تمہیں
کرو جا کے پھر اپنی حاجت روا ∴ اور اللہ سے کرتے جاؤ دُعا
ہمیں خبث سے دے نجات اے خُدا ∴ کہ ممکن نہیں ہے یہ تیرے سوا
فراغت پہ کر لو وضو اور چلو ∴ نماز اپنی مسجد میں جا کر پڑھو
نہ مسجد میں ہرگز کرو شور و شر ∴ کہ یہ ہے خدا کی عبادت کا گھر
فرائض سنن اور نوافل پڑھو ∴ فراغت میں تسبیح و تہلیل ہو
نہ ہمسایوں کو کوئی تکلیف دو ∴ کرو دُور اگر ان کو تکلیف ہو
کہا مانو تم اپنے ماں باپ کا ∴ کہ قرآن میں ہے یہ حکمِ خدا
کرو اُن کی خدمت تم اخلاص سے ∴ کہ جنت ہے ماؤں کے پاؤں تلے
کرو ناشتہ اور جاؤ سکول ∴ نہ رہ میں اڑاؤ کبھی خاک دھول

چلو سید ھے جلدی اٹھاؤ قدم ÷ پہنچ کو مدرسے میں ہی لیجیے دم
وہاں جا کے اپنی جگہ بیٹھ جاؤ ÷ نہ شوخی شرارت کرو نہ کراؤ
نہ جھگڑا کرو نہ لڑائی کرو ÷ نہ ہم جنس سے ہاتھا پائی کرو
سُناؤ سبق پہلے استاد کو ÷ اور اگلا سبق بھی پھر ان سے پڑھو
سبق یاد کرتے رہو گے اگر ÷ تو استاد کے ہو گے نُورِ نظر
محبت سے تم کو پڑھائیں گے وہ ÷ سالانہ ترقی دلائیں گے وہ
اسی طرح گو کام ہوتا رہا ÷ تو ہو جائے گا تم پہ فضلِ خدا
مرادیں تمہاری وہ بر لائے گا ÷ اور عزّت کی کرسی پہ بٹھلائے گا

ایک اور نظم درج ذیل ہے جو آپ کے لیٹر پیڈ پر لکھی ہوئی ملی ہے
چونکہ آپ اپنے اشعار کو باقاعدہ کسی کاپی میں نہیں لکھتے تھے۔ اس لیے اس
بات کا امکان ہے کہ کئی نظمیں ایسے کاغذات پر لکھی ہو[illegible] جو [illegible] زمانہ
کے باعث ضائع ہو گئے ہوں گے یا اس وقت [illegible] نہیں رہے۔

"کوشش کرو [illegible] کچھ ہو دنیا میں کوئی فن"

کوشش کرو کہ کچھ ہو دنیا میں کوئی فن ÷ [illegible] اگر [illegible] تمہارا [illegible]
دھن چیز کیا ہے صرف کرو جان اور تن ÷ [illegible] عزیز [illegible]
اے احمدی جوان تو کر فن میں وہ کمال ÷ دنیا میں ہر لحاظ سے جو دوسرے بے مثال
تیری دیانت اور امانت کی دھاک ہو ÷ [illegible] کو [illegible]
سچ بول۔ پورا تول نہ رکھ اس میں کوئی جھول ÷ دل میں نہ ہو کھوٹ ہو ہر دم اسے ٹٹول

الفاظ دل دکھانے کو ہرگز نہ مُنہ سے بول ٭ ورنہ کسی سے ہو رہے گی تیری سر پھٹول
اللہ کی رضا کو سمجھ لعل بے بہا ٭ اس کے حصول کے لئے اس ہے ہی کہ دُعا
تکلیف اور دُکھ جو اُٹھانا پڑے اٹھا ٭ حاصل اگر رضا، ہو تو پھر چاہیے اور کیا؟
سب سے بڑا گناہ ہے انکارِ انبیاء ٭ ملتی ہے پُوری قوم کو جس کی بڑی سزا
اپنی خطائیں کو نہیں انسان دیکھتا ٭ اس بے خطا پہ تیر چلاتا ہے بے حیا

ایک شخص نا ملائمت اور کرختگی سے پیش آیا تو اس کے اس رویہ سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا ؎

اُٹھ گئے دانا یہاں سے بے شعور رہ گئے
گُل گئے گلشن گئے جنگلی دھتورے رہ گئے

مَیں نائیجریا میں تھا۔ میری فیملی وہاں جانے لگی تو ربوہ سے کراچی پہنچ کر پتہ چلا کہ انتظامات میں مزید کچھ دیر لگے گی۔ اس وقت ابا جی ربوہ میں موجود نہیں تھے۔ وہ کوئٹہ میں تھے۔ کوئٹہ سے واپس ربوہ آئے تو جو خط میری بیوی کو لکھا اس میں تحریر تھا۔

"مَیں جب کوئٹہ سے گھر واپس آیا تو انگور اور سردے لایا گر افسوس ؎

نہ ہالا، نہ مُجھّی نہ ظفری یہاں ٭ نہ بچے یہاں اور نہ ہی ان کی ماں

بالا (محمد اقبال)، مجھّی (بشریٰ) ظفری (ظفر اقبال) میرے بچّوں کے نام ہیں۔

فروری ۱۹۷۶ء میں برادرم محترم ثاقب زیروی صاحب کا ہفت روزہ "لاہور" ملا تو ارتجالاً اس کے سرورق پر یہ شعر تحریر کئے۔

گڑ گڑا کر عاجزی سے جو پڑھی جائے نماز
بس وہی ہے حق تعالیٰ کی پسندیدہ نماز
یا الٰہی فضل کر اور مجھکو بھی توفیق دے
گڑ گڑا کر میں پڑھوں تیری پسندیدہ نماز

محترم حکیم مولوی خورشید احمد صاحب (آجکل ربوہ کے صدر عمومی) سے ابا جی کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب ایک لمبے عرصہ کے بعد محترم حکیم صاحب کے ہاں اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا تو ابا جی نے درج ذیل اشعار کہے :-

کیوں نہ خوش ہوں گے مولوی خورشید ؛ بعد مدّت بر آئی جن کی مراد
حق نے بخشا ہے آپ کو فرزند ؛ لوگ کہتے ہیں جس کو نر اولاد
دوست احباب سب ہی ہیں خنداں ؛ میری جانب سے صد مبارک باد
یا الٰہی معمر ش گرداں ؛ صالح و پاک باز و نیک نہاد
تو چہ می خواہی از منِ مسکین ؛ جز دعائے کہ زندہ باشی وشاد

محترم حکیم صاحب کو اپنے متعلق بھی دو اشعار پیش کئے۔

نہ مجھے بھوک لگتی ہے نہ پیاس ؛ ہو گئے کند اب تو سارے حواس
میرا بھی حصہ آپ کی طب میں ؛ ہے، یا بالکل نہیں کوئی بُو باس

پکنک ہی سے متعلق کہے گئے بعض اور اشعار

خوزہ خیلہ کے آب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

یہ شعر جولائی ۱۹۵۸ء میں ہائیکنگ پر جانے والی پارٹی کی ہمراہی میں اس وقت کہا گیا جب آپ نے خوزہ خیلہ دیکھا۔ آپ نے تحریر کیا ہے۔ "اس سفر میں مدین سے پہلے خوزہ خیلہ ایک جگہ آئی جو چشموں کی سرزمین تھی۔ دریائے سوات کا نظارہ۔ سرسبز و شاداب وادی۔ درختوں کے جھنڈ۔ گرمی کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

برادر مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی کے متعلق یہ اشعار کہے:۔

تمہیں معلوم نہیں چیز ہی کیا ہے مسعود
بڑھ کے ہے نعمتِ عظمیٰ سے کہیں اس کا وجود

برکتوں سے رہیں معمور خزانے ان کے
جن کو اللہ نے بخشا ہے یہ ہیرا مولود

ظاہری حُسن سے بھی بڑھ کے ہے باطن کا کمال
ظاہری حال جو شاہد ہے تو باطن مشہود

یا الٰہی تری رحمت کا ہو سایہ اس پر
دوست اس کے رہیں دلشاد، ہوں دشمن نابود

محمد اسلم صاحب کے متعلق

نام جس کا محمد اسلم ہے ؛ وہ ہے اک بچہ عقل کا کچا
کام چور اور سخت لاپرواہ ؛ بول کر جھوٹ بھی رہے سچا

مکرم جمیل الرحمٰن صاحب کے متعلق

جمال اپنا دکھانے میں آپ ہیں مشغول
کہ خاص وعام میں گویا ہیں آپ ہی مقبول
حسین آپ سے گویا جہاں میں ہیں نایاب
بس ایک ذاتِ گرامی ہے آپ کی مسئول

مکرم محمد سلیم صاحب کے متعلق

اک اور دوست مرے ہم کاب رہتے ہیں
کہ جنکو لوگ محمد سلیم کہتے ہیں
سلیم نام سلامت روی ہے کام ان کا
اسی لئے مرے دل میں ہے احترام ان کا
خدا نے آپ کو بخشا ہے لحن داؤدی
کہ مستفید ہے جس سے ذکی و گاؤدی
وہ سامعین کو اس لَے سے کرتے ہیں مسحور
کہ تان سین بھی سننے کو ہوتا ہے مجبور

ایک اور رفیقِ سفر کے متعلق

یا الٰہی ہم کو ایسے بدنہادوں سے بچا
جن کی فطرت میں نہیں ہے کچھ شرارت کے سوا
مارتے ہیں ڈنک جو ہر اک کو عقرب کی طرح
گو بظاہر اس نے کچھ نقصاں نہ ہو ان کا کیا
انڈے، مُرغے اور بکرے پیٹ میں مدفون ہیں
پھر بھی شاکی ہیں کہ کھانے کو نہیں کچھ بھی ملا
ہو گیا ہے ان کو جوع البقر کا شائد مرض
کام کوئی بھی نہیں ہے پیٹ بھرنے کے سوا
جو حفاظت کر نہ سکتا ہو حقوقِ غیر کی
اس کو اپنے حق کا استحقاق ہی رہتا ہے کیا
ہر دَم اپنی برتری کا فکر دامن گیر ہے
منک عزت سے ہو یا کرنی پڑے جور و جفا
مانگتے رہتے ہیں ممبر پارٹی کے یہ دُعا
یا الٰہی فضل کر اور ایسے موذی سے بچا

مکرم قریشی مقبول احمد صاحب روانگی سے ایک یوم قبل راولپنڈی روانہ ہو گئے تھے۔ دوسرے دن جب ابا جی نے انہیں پنڈی پہنچ کر دیکھا تو فی البدیہ درج ذیل اشعار کہے۔

پارٹی کی آ گئی روحِ رواں ؛ جس سے آئی جان میں اک اور جاں
نامِ نامی آپ کا مقبول ہے ؛ حسنِ کردار آپ کا معمول ہے
ایک جادہ ہے طلاقت آپ کی ؛ دل کا اطمیناں رفاقت آپ کی
یہ اخوّت اور مساواتِ انام ؛ جانفزا مژدہ ہے بہرِ خاص و عام
الغرض ان نیکیوں نے اے عزیز ؛ کر دیا مقبول کو ہر دل عزیز
اے خدا اے ذاتِ ربّ العالمیں ؛ کچھ کمی تیرے خزانوں میں نہیں
اس کے حق میں عاجزوں کی یہ دُعا ؛ کر قبول اور اس کو دے احسن جزا
دین و دُنیا میں اسے کر شادکام ؛ خائب و خاسر رہیں اعداء تمام

پارٹی سے واپسی پر جامعہ احمدیہ کی ایک ہفتہ وار میٹنگ میں یہ تمام اشعار سُنائے گئے اور تمام اساتذہ اور طلباء ان سے محظوظ ہوئے۔

شعر و سُخن کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابّا جی کے چچا جان حضرت مولوی وزیر الدین صاحب بھی اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ان کی نظمیں سلسلہ کے ابتدائی اخبارات میں شائع ہوتی تھیں۔ ابّا جی نے نمونۃً چند اشعار اپنی ایک کاپی میں تحریر کئے ہوئے ہیں۔ اشعار لکھنے سے قبل لکھا ہے۔ "چچا جان کی یادداشت کے ایک کاغذ کی نقل"

یا ربّ یہ التجا ہے تری بارگاہ میں ؛ ہو خاتمہ بخیر مرا تیری راہ میں
سجدے میں جان نکلے عذابِ نزع نہ ہو ؛ ہو کوچ اس جہان سے ترے در کی چاہ میں
دُنیا میں تُو نے مجھکو بنائے رکھا عزیز ؛ مت کیجیو ذلیل و زبوں حشر گاہ میں

پیری میں تُو نے بخشا محمد عزیز دین ؛ بچہ ہے اس کو پالیو اپنی پناہ میں
دینِ نبی کا خادمِ خاص اس کو کیجیو ؛ دُنیا میں دوست کام رہے عز و جاہ میں
متمتعِ سعادتِ دارین کیجیو ؛ میری طرح نہ عمر گذارے گناہ میں
یارب کرم سے کیجیو میری دُعا قبول
رو رو کے عرض کرتا ہوں شام و پگاہ میں

الہیٰ تُوئی پاک پروردگار ؛ منم بندۂ عاصی و خاکسار
ہمہ عمر کردم بہ عصیاں تباہ ؛ بجز رحمتت نیست دیگر پناہ
کرم کن براحوالِ من یا کریم ؛ کہ ہستی خدائے غفور و رحیم
گناہم بہ بخش و پناہم بدہ ؛ ز رحمت سُوئے خویش راہم بدہ

غریب و بیکس و زارم اَغِثنِی یا رسول اللہ
بہ بندِ غم گرفتارم اغثنی یا رسول اللہ
پریشاں حال و درماندہ بہ جو از ہر درے راندہ
نہ کس یارم نہ غمخوارم اغثنی یا رسول اللہ
مرا در عالمِ رؤیا رُخِ پُر نُورِ خود بنما
کہ از مدت طلبگارم اغثنی یا رسول اللہ

یہ اشعار ۱۲ مارچ ۱۸۹۷ء کو ایک کتاب کے اندرونی سرورق پر لکھے گئے تھے۔

۶

ابّا جی احسان شناس بھی تھے اور دوست نواز بھی۔ ہر وہ شخص جس نے اُن کی عمر کے کسی حصّہ میں بھی اُن پر کسی نہ کسی رنگ میں مدد کے ذریعہ احسان کیا اُسے انھوں نے تاحیات یاد رکھا۔ اُس کا ذکر کیا اور اُسے دُعائیں دیتے رہے۔ دوست داری کا اس قدر پاس تھا کہ جسے ایک دفعہ دوست بنایا ساری عمر اسی کے ساتھ نبھائی اور اکثر اس بات کا ذکر کیا کہ وہ تو میرے دل کے اتنا قریب تھا کہ گویا میرا سگا بھائی ہو۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا جان کے پاس رہ کر حاصل کی تھی اُنہیں ساری عمر دُعائیں دیتے رہے اور اُن کی طرف سے بعض اوقات بعض مدّات میں چندہ بھی دیا۔ چونکہ اُن کے چچا جان علم دوست اور فارسی اور اُردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ ابا جی کو اُن کے ساتھ علمی اور ادبی رفاقت بھی محسوس ہوتی تھی اور اپنے علمی رحجان کو اُن کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اپنی ایک پھوپھی کا بھی ذکر کرتے۔ اپنی ڈائری میں ابّاجی نے لکھا ہے کہ "بچپن میں زیادہ تر اپنی پھوپھی کے پاس رہا کرتا تھا اور وہی ہر وقت اپنے پاس رکھتیں دن رات مجھے گودیوں کھلاتیں اور انہی کو میں اپنی حقیقی ماں سمجھتا تھا"۔

اپنے چچا جان کے متعلّق ابا جی کے یہ الفاظ ان کی ڈائری میں لکھے ہوئے

ہیں۔ "چونکہ میرے والد بزرگوار کا سایہ میری طفولیت ہی کے زمانہ میں میرے سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اس لئے میری زیادہ تر پرورش میرے مرحوم چچا کے زیر سایہ ہوئی اور انہی کی بدولت مجھے احمدیت کا نور نصیب ہوا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء"۔

اُن کے چچا جان کی وفات پر (۶، نومبر ۱۹۰۵ء) ایک صاحب سیّد حاکم علی شاہ سجان پور ٹیرا کے سکول کے ہیڈ ماسٹر متعین ہوئے۔ اُن کی بیوی نے ابّا جی کو اپنے بچوں کی طرح اپنے گھر رکھا اور بہت خاطر داری کرتی رہیں۔ اس بات کا ذکر کر کے اباجی نے دعا دیتے ہوئے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے آمین ثم آمین یا ربّ العٰلمین۔

اسی طرح ایک اور مہربان عورت کا اباجی نے یوں ذکر کیا ہے۔ "کچھ عرصہ کے بعد مَیں نے اپنی والدہ صاحبہ کو اپنے پاس بُلا لیا اور علیحدہ مکان لے کر رہنے لگا۔ والدہ صاحبہ کے آنے پر جب مجھے پردہ دار مکان کی تلاش ہوئی تو میری والدہ صاحبہ نے ایک لڑکے کو مکان کی تلاش کے لئے کہا۔ اس لڑکے کی والدہ نے میری والدہ کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ یہ خاتون صوبیدار کرم دین صاحب کی بیوی بنام "مکھنو" تھیں جن کے دو بچے عزیز الدین اور کریم الدین میرے پاس سکول میں پڑھتے تھے۔ اس خاتون نے بھی مجھے اپنے بچوں کی طرح اپنے گھر رکھا اور میری والدہ سے اپنی والدہ جیسا سلوک کیا اور ہم دونوں سے بہت ہی اخلاص اور محبت سے پیش آتی رہیں۔ اُن کے میاں صوبیدار کرم دین صاحب ریاست منڈی میں فوج میں ملازم تھے۔ ۱۹۰۸ء میں صوبیدار صاحب منڈی میں بیمار ہو گئے تو اُن کی اہلیہ صاحبہ ان کی خبر لینے کے لئے منڈی گئیں۔ مگر افسوس کہ واپسی پر

گھوڑے یا خچر سے گر کر جاں بحق ہو گئیں۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اس نیک خاتون کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔" انہی کے میاں صوبیدار صاحب نے اباجی کے نارمل سکول میں داخل ہوتے وقت دو سال کے وظیفہ مبلغ -/۱۹۲ روپے کی ضمانت دی تھی اور اپنے گھر سے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹا میری لاج رکھنا۔ اسی طرح ایک ہندو کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے۔ "اس سکول میں (یعنی سیجان پور ٹیرہ) پالارام صاحب ایک بہت پُرانے چپڑاسی تھے جو بہت نیک، دیانتدار اور خدمت گذار تھے انہوں نے محترم چچا جان کے زمانہ میں نہایت وفاداری سے ہر قسم کی خانگی اور سرکاری خدمات سرانجام دی تھیں"۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں لاہور کے ایک دیو سماج سکول میں چھ مہینے کے لئے پڑھایا۔ اس سکول کے اساتذہ کا آپ یوں ذکر کرتے ہیں۔ " اس جگہ ناشکر گذاری ہوگی اگر یہ ذکر نہ کروں کہ اس چھ ماہ کے عرصہ میں مَیں نے اُن تمام اساتذہ کو جو اس سکول میں ملازم تھے نہایت ہی محنتی اور اعلیٰ اخلاق کے مالک پایا۔ کبھی اُن کے مُنہ سے گالی گلوچ کا نام تک نہیں سُنا۔ لین دین کے بہت کھرے اور سُتھرے۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے۔ سب کے سب ایک سے ایک بڑھ کر۔ اس سکول کا سیکنڈ ماسٹر امتحان کے دن متواتر تین گھنٹے ایک ہی جگہ اس طرح کھڑا رہتا جیسے کوئی پول گڑا ہؤا ہو۔ ریول کے لفظ سے مجھے یاد آیا کہ جب مَیں ہائی سکول کی آخری جماعتوں میں پڑھتا تھا تو اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ

جس لڑکے سے اباجی کوئی سوال پوچھتے تھے اور وہ خاموش کھڑا رہتا تھا تو اباجی کہا کرتے تھے جواب بھی دوگے کہ نہیں۔ یوں کھڑے ہو جیسے پول گڑا ہُوا ہو۔) نہایت شیریں زبان اور نرمی سے کلام کرنے والے۔ غرض میں اُن کے اخلاق سے بہت متاثر ہُوا۔" اسی سکول کے متعلق اباجی کا کہنا ہے کہ چھ ماہ کا عرصہ ختم ہونے پر ہیڈ ماسٹر صاحب نے ازراہِ بندہ نوازی مجھے نہایت اعلیٰ درجے کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا تھا۔

بھکّر کے گورنمنٹ سکول کے ایک ہیڈ ماسٹر صاحب قریشی محمد صادق صاحب کا بھی اباجی نے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بڑے شریف روادار، نیک اور مرنجاں مرنج بزرگ تھے۔ اسی زمانے کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب سکول میں آئے اور کہنے لگے کہ میں لڑکوں کو میسمریزم کا ایک کھیل دکھانا چاہتا ہوں۔ اباجی کہتے ہیں "ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں اُن کو بورڈنگ میں لے جاؤں اور مولوی صاحب وہاں جا کر تماشہ دکھائیں۔ چونکہ میں بورڈنگ کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ میں انہیں لے آیا اور ایک بڑے ہال میں لڑکوں کو قطار میں بٹھا دیا۔ (ان لڑکوں میں میں نسیم سیفی بھی شامل تھا۔) ان مولوی صاحب نے ایک لمبی تسبیح کو حلقہ بنا کر زمین پر رکھ دیا اور حلقہ کے اُوپر تسبیح کا امام رکھ دیا۔ اور تھوڑی دُور کھڑے ہو کر کچھ پڑھنے لگے۔ ذرہ سی دیر میں تسبیح کا امام اس طرح اوپر کو اُٹھا جیسے سانپ کنڈلی سے سر اُٹھا کر چلنا شروع کرتا ہے۔ مولوی صاحب آگے آگے چلتے تھے اور تسبیح اُن کے پیچھے۔ آہستہ چلتے تو

تسبیح آہستہ ہو جاتی اور ڈوبنے لگتے تو تسبیح بھی تیزی سے چلنے لگتی۔ ایک طالب علم نے چھتری کا دستہ تسبیح میں ڈال دیا وہ تسبیح چھتری کو بھی ساتھ لے کر مولوی صاحب کے پیچھے چلتی رہی۔ یہ عجیب تماشا میں نے اپنی عمر میں پہلی دفعہ دیکھا۔"

مجھے یاد ہے کہ یہ تماشا دیکھنے کے بعد اباجی نے اُس مولوی صاحب سے پوچھا کہ آخر اس کا راز کیا ہے تو مولوی صاحب نے بڑے رازدارانہ لہجے میں اباجی کو بتایا کہ سورۃ رحمان کی ایک آیت ہے جسے ستّر لاکھ دفعہ پڑھنے سے یہ عمل کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور استاد صاحب کا یوں ذکر کرتے ہیں " شرقپور میں ایک ڈرائینگ ماسٹر مولوی عبدالحق صاحب تھے اُن سے میری طبیعت کو اس قدر اُنس ہو گیا کہ بعض دفعہ مجھے یہ گمان گذرتا کہ یہ میرے حقیقی بھائی ہیں۔ اُن کو بھی میرے ساتھ بہت محبت اور اُلفت تھی۔ حتّٰی کہ جب ۱۹۳۷ء میں اُن کا تبادلہ شرقپور سے گکھڑ نارمل سکول میں ہوُا تو اُن کے جانے کے بعد میں کئی دن تک متواتر روتا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ اباجی دوستوں کے دوست تھے اور کما حقّہٗ ان کی قدر کرتے تھے۔ جامعہ احمدیہ میں تدریسی خدمات سر انجام دیتے ہوئے جب اُن کا واسطہ محترم میر سیّد داؤد احمد صاحب سے پڑا تو آپس کے تعلقات اتنے بڑھے کہ محترم میر صاحب اباجی کی انتہائی عزّت کرتے تھے اور اباجی کو میر صاحب سے والہانہ محبت تھی۔ محترم میر صاحب کی وفات پر اباجی نے ۲۲ کو ایک

نوٹ تحریر کیا اور اس کے ساتھ ایک دو ایسے رُقعے بھی شامل کئے جن میں ابّا جی اور میر صاحب کی باہمی تحریریں تھیں۔ نوٹ اور وہ تحریریں درج ذیل ہیں:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ ـــــ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ

مَیں اور میر سیّد داؤد احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شروع شروع میں جب میر صاحب بطور پرنسپل تشریف لائے تو جامعہ ابھی اپنی ابتدائی ارتقائی منازل طے کر رہا تھا۔ مگر بہت سُست رفتاری سے۔ میر صاحب کے تشریف لاتے ہی جامعہ کے جسد نیم جاں میں اچانک حرکت تیز ہو گئی۔ اور چند ہی سالوں میں وہ جامعہ جو انڈر فیڈ (INDERFED) ہونے کی وجہ سے سسکیاں لے رہا تھا۔ کلیلیں کرنے اُچھلنے کودنے دوڑنے بھاگنے کے نہ صرف قابل ہو گیا بلکہ اس میں عنفوان شباب کے آثار بھی جلوہ گر ہونے لگے۔ میر صاحب کی مومنانہ پیاری شکل۔ مجاہدانہ سرگرمیوں اور انتھک محنت کی بدولت ابھی تکمیل شباب بھی نہ کرنے پایا تھا کہ میر صاحب اللہ تعالےٰ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

میرے دل میں میر صاحب کی بے پناہ محبّت اور اس سے کئی گُنا زیادہ رُعب تھا۔ اور مَیں خائف تھا کہ کہیں میری کمزوریاں آنمکرم کے آئینۂ دل میں کوئی کدورت پیدا نہ کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا۔ کہ اُس نے میر صاحب کا دل میری طرف مائل کر دیا۔ اور نہ صرف مائل کر دیا۔ بلکہ وہ اس خاکسار سے بہت مہربانی اور شفقت کا سلوک فرمانے لگ گئے۔ گذشتہ اپریل کی چھٹیوں میں خاکسار لاہور چلا گیا۔ واپسی پر معلوم ہُوا کہ میر صاحب بیمار ہیں اور

علاج کے لئے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک رُقعہ دستی لکھا اور میر صاحب کی خدمت میں بھجوایا۔ جس کا جواب آپ نے لکھ کر فوراً مجھے ارسال فرمایا۔ یہاں تشریف لاتے کے بعد یہاں کے تیمارداروں نے ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت میر صاحب سے ملاقات بند کر دی۔

اور یہ میری بدقسمتی تھی کہ اسی بندش کی وجہ سے مَیں نہ میر صاحب سے آخری ملاقات کر سکا۔ اور نہ اپنے جذبات کا اظہار ان کے سامنے کر سکا۔ وفات سے چند یوم قبل مَیں نے ایک سو روپے کا چیک میر صاحب کی خدمت میں بھجوایا۔ مگر افسوس کہ وہ بھی ان کی وفات کے بعد مجھے واپس کر دیا گیا اور مَیں آپ کی ادنیٰ سی خدمت سے بھی محروم محض رہ گیا۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا اِلیہ راجعون۔

میر صاحب جیسے سیدھے سادھے مسلمان۔ عزم راسخ کے پہلوان۔ دیانت اور امانت کے مجسم پیکر اور رُوحِ رواں سے خاکسار کو اس قدر قلبی اُنس تھا کہ الفاظ میں اسے بیان کرنا ناممکن ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کا میرے دل و دماغ پر خاص صدمہ ہُوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ میر صاحب کو اعلیٰ علیّین میں بلند ترین مقام پر فائز فرمائے۔ اور ان کے جُملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق رفیق کرے آمین ثم آمین۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ میر صاحب کی وفات کے بعد جامعہ احمدیہ یتیم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس یتیم کا والی وارث ہو۔

ذیل میں میر صاحب کے نام خاکسار کے ایک دو رُقعے اور اُن کے جوابات احباب کی آگاہی کے لئے تحریر کئے جاتے ہیں۔ خاکسار

ماسٹر عطا محمد ٹیچر جامعہ احمدیہ ربوہ ۲۲/۲/۷۶

(۱)

محترم جناب پرنسپل صاحب جامعہ احمدیہ ربوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عزیزان منیر الاسلام و امداد الرحمٰن کو آپ اسی سال ممہدہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے کل زبانی بھی گزارش کی تھی، کہ ابھی طالب علموں کا ذخیرۂ الفاظ بھی بہت کم ہے، اور املا بھی نہایت کمزور ہے۔ اسی نسبت سے ان کی فہمید کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس حالت میں ممہدہ میں ان کا داخلہ نقصان دِہ ہو گا۔ پس میری گزارش یہی ہے کہ اس سال انہیں ممہدہ میں داخل نہ کیا جاوے۔ زبان آخر زبان ہے۔ کوئی جنتر منتر نہیں ہے۔ کہ چند ہی یوم میں ان کے اندر پھونک دی جاوے۔ اور اگر بناچار انہیں داخل ہی کرنا ہے تو تعطیلات میں انہیں میرے ہمراہ ایبٹ آباد بھیجدیں۔ بھر واپسی پر بخوشی انہیں ممہدہ میں داخل فرمالیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

والسلام خاکسار۔ ماسٹر عطا محمد۔ ۲۰ مئی ۱۹۶۹ء

جواب از محترم میر صاحب:-

مکرم محترم جناب ماسٹر صاحب۔ السلام علیکم

ہم تو آپ کو جنتر منتر کا ماہر ہی سمجھتے ہیں۔ ورنہ جتنی جلدی آپ نئے طالب علم کو چلا لیتے ہیں۔ مَیں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔

۲۔ انشاء اللہ اگر کوئی رہائش کی مناسب صورت نکل آئی۔

سیّد داؤد احمد

(۲)

محترم جناب افسر صاحب جلسہ سالانہ ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مجھے معلوم ہے کہ آنمکرم کے پاس چینی دستیاب ہے ۔ براہِ کرم خاکسار کو موازی ۲۰ سیر عطا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ۔ مبلغ ۵۰/- (پچاس روپے) درخواست ہذا کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں ۔ والسلام

خاکسار ماسٹر عطا محمد ۔ ۲۴ جنوری ۱۹۴۳ء

جواب از محترم میر صاحب :-

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جب ختم ہو گئی تو آپ کا ارشاد پہنچا ۔ مجھے آپ کو انکار کرتے یا معذرت کرتے سخت کوفت ہو رہی ہے ۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو آپ کو ٹکڑ میں تول کر اتنی چینی پیش کر دیتا ۔ سخت شرمندہ ہوں ۔

سیّد داؤد احمد

ایک اور دوست رحیم بخش صاحب جو سُنار کا کام کرتے تھے اُن کے اور اُن کے اہل خانہ کے رویّہ کو بھی آپ نے بہت سراہا ہے ۔ ابّاجی لکھتے ہیں :-

"ان دنوں پنجاب کے میدانی اضلاع میں نارمل پاس کی تنخواہ ۱۲/- روپے ماہوار تھی ۔ مگر چونکہ سیّد حاکم علی شاہ صاحب نے مجھے امتحان سے پہلے ہی لکھ بھیجا تھا کہ میں اُس سکول میں اُن کے ماتحت کام کروں وہ مجھے ۱۵/- روپے ماہوار دلا دیں گے اور اس پہ میں نے اپنی رضامندی بھی ظاہر کر

دی تھی۔ اس لئے امتحان دینے کے بعد میں سیدھا سبحان پور ٹیرہ پہنچا۔ سبحان پور ٹیرہ جانے کے لئے مجھے ایک کشش اَور بھی تھی اور وہ یہ کہ وہاں کے ایک سادہ کار (سُنار) بنام رحیم بخش صاحب اور اُن کے خاندان سے میرے اور میری والدہ صاحبہ کے مراسم بہت اچھے ہو گئے تھے۔ ان کا ایک لڑکا بنام الہ دین سکول میں میرے پاس پڑھتا تھا اور ان کی ایک لڑکی بھی جس کا نام حسن بی بی تھا مجھ سے پڑھا کرتی تھی۔ مَیں نے ایک دن اس کی تختی پر خوشخطی کے طور پر لکھنے کے لئے یہ فقرہ لکھا۔ "جان جائے آبرو نہ جائے"۔ اس فقرے نے اُن کے دل پر جادُو کا سا اثر کیا اور وہ دونوں میاں بیوی مجھ پر بہت مہربان ہو گئے۔ میری والدہ کو اُن کی بیوی امّاں جی اور اُن کے بچّے نانی جی کہہ کر پکارتے تھے اور ہر دوسرے تیسرے دن اپنے بچّوں کو لے کر رات کو ہماری قیام گاہ پر ملاقات کیلئے آجاتے تھے۔ نارمل سکول میں داخل ہونے کے لئے جب مَیں سبحان پور ٹیرہ سے روانہ ہؤا تو انہوں نے مجھے کپڑوں کا ایک جوڑا اَور چاندی کے بٹن بنا کر دئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔
ان لوگوں کی کشش بھی مجھے سبحان پور ٹیرہ لے گئی"۔

۷

یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ میرے ابّا جی کے خاندان میں بھی احمدیّت کے آغاز ہی میں بعض افراد سلسلہ احمدیّہ سے منسلک ہوئے اور اسی طرح میری والدہ کے خاندان میں سے بھی۔ میری والدہ حضرت میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں والے کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ ابّا جی نے اپنی ڈائری میں اپنی شادی کے متعلق لکھا ہے:۔

"۱۹۰۸ء کے غالباً وسط میں برادرم اللہ یار صاحب مرحوم و مغفور نے جن سے میری عمزاد ہمشیرہ برکت بی بی بیاہی ہوئی تھیں نے مجھے لکھا اگر تم اپنی شادی کرنا چاہتے ہو تو میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں والے سے خط و کتابت کرو اور خط بنام عبدالغفور طالب علم جماعت چہارم پرائمری سکول دیالگڑھی لکھا کرو۔ چنانچہ میری خط و کتابت شروع ہوئی تو میاں فضل محمد صاحب نے میرے خاندانی حالات دریافت کئے۔ جس پر میں نے انہیں لکھا کہ مَیں ایک بیوہ کا لڑکا ہوں -/۱۵ روپے ماہوار تنخواہ ہے جس پر گزارہ ہے۔ مکیریاں میں جدّی مکان بھی ہے مگر چونکہ والد صاحب اُسے گراؤ رکھ گئے تھے۔ اس لئے وہ اصل مع سود مبلغ -/۸۰۰ روپے میں رہن کر دیا گیا ہے۔

میرے تین بھائی ہیں۔ میاں فضل محمد صاحب کی اہلیہ محترمہ برکت بی بی صاحبہ
جو بہت نیک بخت متقی اور صالحہ احمدی خاتون تھیں انہوں نے میاں صاحب سے
کہا یہ لڑکا سچ بولتا ہے اسے لکھو کہ تم آؤ ہم تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس
پر مَیں نے انہیں لکھا کہ اگر صرف دیکھنے دکھانے کے لئے آنا ہے تو بہت ممکن
ہے کہ میں آپ کو پسند نہ آؤں۔ اس طرح بے نیل مرام چار یوم آنے اور چار
یوم جانے میں صرف ہوں گے۔ اور جو مالی نقصان ہوگا ناقابلِ برداشت ہوگا۔
اس لئے اگر نکاح کر دینے کا وعدہ کریں تو مَیں آتا ہوں۔ نہیں تو میری طرف سے
جواب سمجھیں۔ میاں فضل محمد صاحب تو خدا جانے کیا خیال کرتے ہوں گے مگر
ان کی اہلیہ صاحبہ نے مجبور کیا کہ نکاح کر دینے کا وعدہ کر کے بُلایا جائے مجھے۔
چنانچہ مَیں چھٹی لے کر دسمبر کے آخر میں پہلے مکیریاں پہنچا اور پھر مکیریاں سے
ہرسیاں جہاں برادرم اللہ یار اور شاہد ہمشیرہ برکت بی بی موجود تھے۔ میاں
صاحب مجھے اپنے ہمراہ دیا لگڑھ لے گئے اور وہاں اپنے نسبتی برادر کو دکھا کر
اُن کی رضامندی بھی حاصل کر لی۔ اس کے بعد مَیں برادرم اللہ یار کے ہمراہ بھلوال
چلا گیا۔ جہاں وہ رہتے تھے۔ میرے پاس ایک پونڈ تھا انہوں نے اُس سے کپڑوں
کا ایک جوڑا اور دو سونے کے پھول تیار کروا کر نکاح کی تیاری کر لی۔ یکم
جنوری ۱۹۰۹ء کو ہم قادیان چلے گئے جہاں حضرت خلیفہ اوّل نے میرا نکاح
رحیم بی بی صاحبہ بنت میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں سے ۲۰۰/- روپے مہر
پر پڑھ دیا اور مَیں فائز المرام واپس سجان پور میرہ پہنچ گیا۔ فالحمد
للہ ربّ العٰلمین۔"

حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری کی بیگم صاحبہ جنہیں ہم ماسی جی کہا کرتے تھے انہوں نے مجھے کئی دفعہ بتایا اور اصرار سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ واقعہ تحریر میں آجانا چاہیئے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب میری والدہ چھوٹی بچی تھیں اور اپنی والدہ کے ہمراہ حضرت مسیح موعودؑ کے گھر آیا کرتی تھیں تو حضرت مسیح موعودؑ کو پنکھا کیا کرتی تھیں ۔ ایک دن یہ چھوٹی بچی پنکھا کرتے ہوئے کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی اور حضور سے عرض کی کہ حضرت جی آپ یہاں آجائیں تو مَیں آپ کو پنکھا کروں چنانچہ حضور کچھ دیر کے لئے کھڑکی کے پاس جا کر کھڑے ہوگئے اور بچی کو خوش کر دیا۔ مَیں نے سُنا ہے کہ میری نانی امّاں جب قادیان آتیں، خاص طور پر جلسہ سالانہ کے ایام میں تو حضرت امّاں جانؓ اپنے گھر کا انتظام اُن کے سپرد فرمادیا کرتیں اور وہ بعض اوقات مہینہ مہینہ بھر وہاں رہتی تھیں۔ حضرت امّاں جانؓ کو اُن سے اتنا پیار تھا کہ جب میری ایک خالہ کے خاوند فوت ہوئے تو حضرت اماں جانؓ اپنی علالت کے باوجود اُن کے گھر گئیں اور اُن سے تعزیت کی اور اس تعزیت کے دوران جب انہوں نے اپنی علالت کا اظہار کیا اور کسی نے کہا کہ آپ نے جو اتنی تکلیف برداشت کی تو کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آپ پھر کسی وقت تعزیت فرمالیتیں تو حضرت امّاں جان نے فرمایا کہ یہ وہ لڑکی ہے یعنی میری خالہ جس کی والدہ کو مجھ سے عشق تھا یہ کس طرح ممکن تھا کہ مَیں اس کی بیوگی کا سُنتی اور فوراً تعزیت کے لئے نہ آجاتی۔ (الفاظ میرے ہیں مفہوم حضرت اماں جانؓ کا ہے۔) ۔

میری والدہ کی شادی سے قبل اپنے گھر میں اور احمدی ماحول میں جو تربیت

ہوئی تھی وہ ہمیشہ اباجی کے لئے مفید اور بابرکت ثابت ہوئی۔ اباجی کو قادیان میں لانے، وہاں ملازمت کروانے اور وہیں مکان بنانے کی نہ صرف میری والدہ نے ترغیب دی بلکہ ہر ممکن مدد بھی کی۔ اباجی نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔ " انہی دنوں (۱۹۱۲ء) میری بیوی نے مجھے تحریک کی کہ قادیان ملازمت کرنی چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں ایک درخواست برائے ملازمت بھیج دی اُن دنوں غالباً مولوی صدرالدین صاحب بی۔ اے ہیڈ ماسٹر ہُوا کرتے تھے انہوں نے فوراً درخواست منظور کر لی اور تلونڈی جھنگلاں کے پرائمری سکول میں میری تقرری کر دی۔ میں نے وہاں پہنچ کر مولوی سکندر علی صاحب مرحوم سے چارج لیا جن کا تبادلہ ٹی آئی ہائی سکول قادیان میں ہوگیا تھا۔

۱۹۱۴-۱۵ء میں قادیان کے باہر بیرونی محلوں کی زمینوں کی فروخت شروع ہوگئی تھی۔ میری بیوی مرحومہ نے اپنا سارا زیور اور تنخواہ سے کچھ روپے بچا کر ۶۲/۵۰ روپے میں پانچ مرلہ زمین محلہ دارالفضل میں خرید کی۔ جس پر میں نے کچی اینٹوں سے دو کوٹھریاں اور ایک دالان تعمیر کر لیا اور قادیان میں اپنے مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ میں صبح تلونڈی جاتا اور شام کو واپس آجاتا۔

ایک اور موقع پر بھی میری والدہ نے اپنا ایک زیور دیا کہ فروخت کر کے اپنی ضرورت پُوری کر لیں۔ اس واقعہ کو اباجی یوں تحریر میں لائے۔ " میٹرک کا نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی میں نے ایف اے کا انگلش کورس منگوا

لیا اور مطالعہ شروع کر دیا۔ ۱۹۲۷ء کے شروع میں اس امتحان کی خاطر خواہ تیاری کے لئے مَیں نے دو ماہ کی رخصت کی درخواست دے دی جب وہ نامنظور ہوئی تو مَیں نے طفلانہ جلد بازی سے کام لے کر استعفیٰ دے دیا اور اپنے گھر قادیان آ گیا۔ پھر باوجود اس کے کہ محکمہ نے مجھے ایک ماہ کی چھٹی دینا بھی منظور کر لیا مگر مَیں نے اپنا استعفیٰ واپس نہ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امتحان تو ایف اے کا مَیں نے دے دیا اور بفضلہٖ تعالیٰ پاس بھی ہو گیا اور استعفیٰ بھی منظور ہو گیا۔ مگر امتحان کے بعد بیکاری میں سب پراویڈنٹ فنڈ کا جو روپیہ جمع ہوا تھا وہ سارا ختم ہونے کو آیا اور مجھے ملازمت کی تلاش میں قادیان سے ہوشیارپور جانا پڑا جہاں میرا بڑا بھائی غلام رسول ملازم تھا۔

"میری بیوی نے اللہ اُسے غریقِ رحمت کرے اپنا سونے کا انام (ایک زیور) مجھے جاتے ہوئے دے دیا تھا کہ جہاں ضرورت ہو اسے فروخت کر لینا"۔ اس ملازمت کی تلاش کے سلسلہ میں یہ بات بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ اسلامیہ ہائی سکول ہوشیارپور کی انتظامیہ کمیٹی کے چیئرمین نے درخواست ملازمت تو منظور کر لی مگر ایک شرط یہ عائد کر دی کہ ابا جی کو دوسرے مسلمان اساتذہ کے ساتھ نماز پڑھنی ہو گی۔ اس کے متعلق ابا جی لکھتے ہیں کہ مَیں یہ کہہ کر کہ مَیں ملازمت کے لئے آیا ہوں مذہب فروشی کے لئے نہیں آیا۔ ملازمت کی پیش کش مسترد کر دی اور اُسی دن بوریا بستر باندھ کر سیدھا گورداسپور پہنچا۔ اسی سلسلہ میں ایک اور دلچسپ بات کہ جب ابا جی گورداسپور پہنچے تو وہاں کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس چوہدری گیان سنگھ صاحب (جو ابا جی کے واقف تھے۔) کو ایک درخواست

انگریزی میں ٹائپ کروا کر پیش کی۔ ابا جی لکھتے ہیں۔" انہوں نے درخواست پڑھ کر فرمایا مولوی صاحب اس درخواست میں بہت غلطیاں ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ جناب میں غلطیاں درست کروانے نہیں آیا ملازمت کے لئے آیا ہوں اگر آپ کے پاس ہے تو دیں ورنہ جواب دے دیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ملازمت تو پھر کوئی نہیں ہے۔ میں سلام کر کے کمرے سے باہر نکل آیا اور سیدھا سٹیشن پر پہنچ کر لاہور کا ٹکٹ لے لیا۔"

میری والدہ نے ۱۹۲۸ء میں وفات پائی۔ زندگی کے آخری کئی سال ان کی صحت کچھ ایسی اچھی نہ تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تبخیر کا مرض تھا۔ کیونکہ وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ ایسا لگتا ہے کہ میرے پیٹ میں گولے ہیں۔ وہ دنیا کی بے ثباتی کی باتیں کرتیں اور اس بات کا ذکر بھی کرتیں کہ اب تو زندگی کے دن ختم ہونے والے ہیں۔ (اگرچہ اُن کی عمر اُس وقت ۳۰، ۳۲ سال کے قریب تھی اور میں اور میری بڑی ہمشیرہ اُن کے پاس بیٹھ کر یہ باتیں سنتے ہوئے رو پڑتے تھے)۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں ایک دن انہیں بخار ہوا اور سردی کی وجہ سے ڈبل نمونیہ ہو گیا۔ ایک ہفتہ کے قریب بیمار رہ کر وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے پڑھائی اور مرحومہ کی نعش کو بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ مرحومہ صحابیہ ہونے کے علاوہ موصیہ بھی تھیں۔ اُن کی وفات کے وقت میری عمر صرف ۱۱ سال تھی۔ مجھے ان کی زیادہ باتیں تو یاد نہیں لیکن جو تھوڑی بہت یاد ہیں انہوں نے میری زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایک خاص بات جو میں نے اکثر اپنے ساتھ کام کرنے والوں

کے سامنے دُہرائی ہے وہ یہ ہے کہ بچپن میں بعض اوقات والدہ کوئی چیز بازار یا کسی کے گھر سے لانے کے لئے کہتیں اور میں یہ جواب دیتا کہ مجھے تو اس جگہ کا پتہ نہیں ہے تو وہ ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ بیٹا لوگ تو پوچھتے پوچھتے بمبئی پہنچ جاتے ہیں اس بات نے میری زندگی میں تلاش اور منزلِ مقصود کو پا لینے کا ایسا جذبہ عطا کیا کہ جو ہر قدم پر میری راہنمائی کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔ شاید اسی لئے میرے ایک شعری مجموعہ کا نام "تلاشِ مسلسل" ہے۔

یہ بات بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی ہمیں قادیان سے باہر جانا ہوتا تھا۔ یعنی جہاں اباجی ملازمت کے لئے مقیم ہوتے تھے۔ تو میری والدہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے اجازت حاصل کرنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ میرے خیال میں کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ہم قادیان سے باہر گئے ہوں اور والدہ محترمہ نے حضور سے اجازت حاصل کئے بغیر سفر اختیار کر لیا ہو۔ حضور سے ملاقات کے بعد ہم بچوں کے سامنے وہ ایسی خوشی کا اظہار کیا کرتی تھیں کہ ہمارے دل میں بھی حضور سے ملاقات کی خواہش بیدار ہو جاتی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ باتیں جو ظاہر میں آنکھ کو چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں کردار کی تشکیل میں بہت اہم ہیں اور انہی باتوں کا نام ماں کی گود میں تربیت حاصل کرنا ہے۔

۸

اباجی نے میرے لڑکے عزیزم محمد اقبال سیفی کو (جبکہ اس کی عمر ۱۲ سال تھی) اُس کے ایک خط کے جواب میں لکھا۔ "عزیز کا محبت بھرا خط ملا پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو داخلے کے امتحان میں کامیاب فرمایا۔ عزیز کے یہ جذبات کہ چاہتا ہوں جلد سے جلد پاکستان آ کر آپ سے بغلگیر ہوں۔ میرے لئے آب حیات سے کم نہ تھے۔ جنہوں نے زندگی کی رُوح میرے اندر پھونک دی۔ عزیز! آپ لوگ بھی مجھے یاد کرتے ہی ہوں گے مگر واللہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جس میں آپ کی یاد مجھے نہ ستاتی ہو۔ چونکہ دین کے کام کی خاطر آپ کو اپنے عزیز وطن سے جدا ہونا پڑا ہے۔ اس لئے کوئی گلہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر دم یہی دُعا کرتا رہتا ہوں کہ ایک دفعہ زندگی میں اللہ تعالیٰ ملاقات کا موقع عطا فرما دے۔ عزیزہ بشریٰ کے خط سے بھی دل بہت خوش ہوا۔ جس نے اپنی خانگی مصروفیات اور دیگر حالات سے اطلاع دے کر میرے تنہائی کے غم کو دُور کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو دینی و دنیوی ہر قسم کی ترقیات عطا فرمائے اور سب کو آسمانِ سعادت کا درخشندہ ستارہ بنا دے۔"

اس خط کے آخیر پر ایک ضروری نوٹ کی صورت میں اباجی نے خطوط کے متعلق ایک اصولی بات بھی تحریر کی۔ آپ نے لکھا: "عزیزہ! آپ کی ازدیادِ علم اور معرفت کے لئے اس قدر مزید تحریر کرنا مناسب کہ خطوط کئی قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک کی چند ایک مخصوص اغراض ہوتی ہیں۔ اگر ہر قسم کے خطوط میں اُن کے مناسب حالات سے عمدًا یا سہوًا اعراض کیا جائے تو اس زمانے میں جبکہ ہوائی ڈاک پر ۶ یا ۸ آنے صرف ہوتے ہیں خطوط نویسی ضیاعِ وقت اور ضیاعِ زر کے مترادف ہو گی۔ پس ہر عقل مند انسان کے لئے لازم ہے کہ جب تک حقیقی طور پر خطوط نویسی کے اسباب پیدا نہ ہوں اِسمی اور رسمی خطوط نویسی کی خانہ پُری کے لئے ہرگز قلم نہ اُٹھائے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اباجی کے خطوط حقیقی جذبات (جیسے بھی ہوں) سے بھرپُور ہوتے تھے جو کچھ دل میں ہوتا نوکِ قلم سے کاغذ پر آجاتا۔ نہایت سادہ اور مدلّل تحریر کے ساتھ مکتوب الیہ کو کھُل کر اپنی بات سمجھا دیتے تھے۔ خوشخطی میں اپنی مثال آپ تھے اور خوش بیانی میں بھی۔ درج ذیل سطور میں ان کے بعض خطوط کے نمونے اس لئے پیش کرتا ہوں کہ موضوع پر ان کی گرفت اور تحریر میں شستگی کی مثالیں سامنے آجائیں۔ میرے پاس اُن کے سینکڑوں خطوط ہوں گے میں نے صرف ایسے خطوط کا انتخاب کیا ہے جن میں کسی نہ کسی موضوع پر انہوں نے اپنے خیالات اور جذبات کا بھرپُور اظہار کیا ہے۔ ان خطوط میں میرے لئے قدم قدم پر راہنمائی کا سامان بھی تھا۔ اور میری حوصلہ افزائی کا بھی۔ کبھی مجھے جسمانی صحت کا خیال رکھنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ کبھی جماعتی کاموں میں حُسنِ کارکردگی

کو مدِنظر رکھنے کی نصیحت کی جا رہی ہے۔ کبھی میری نظموں، مضامین، تقاریر اور لوگوں سے تعلقات کو سراہا جا رہا ہے۔ اُن کے متعدد خطوط ایسے ہیں جن کی اشاعت دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے مفید مواد مہیّا کر سکتی ہے۔ بہرحال میں صرف چند خطوط اور اُن کے بھی مختصر اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ ان میں سے ہر خط میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے جو مفید اثر پیدا کر سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ باپ کے لئے اپنے بیٹے کے کام کی تعریف کرنا اس بات کو لازم قرار نہیں دیتا کہ بیٹا واقعی اُس تعریف کا مستحق ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر باپ بیٹے کے کام کی تعریف کرے تو بیٹے کی حوصلہ افزائی ضرور ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اس کوشش میں مصروف رہتا ہے کہ اپنے باپ کے معیار پر پورا اُترے۔ وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوتا ہے۔ اس کے متعلق شاید نہ تو باپ کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ ہی بیٹا۔ لیکن دوسرے دوست اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

میری شادی کے چند ماہ بعد ابّا جی نے مجھے ایک نصیحت آمیز خط لکھا جس کے آخیر پر یہ نوٹ دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں اور بعد بھی یہ خط آنعزیز کے پاس بطور وصیّت حقّہ موجود رہے"۔ (یہ خط ۱۶ / اپریل ۱۹۳۹ء کو لکھا گیا تھا) یہ محض اللہ کا احسان ہے کہ اس نے بھی مجھے اب تک اس خط کو محفوظ رکھنے کی توفیق دی ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ یہ خط میرے پاس رہے گا۔ اس خط میں آپ نے میاں بیوی کے آپس میں سلوک پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے لکھا۔ "عزیزا جس طرح میرا یہ فرض تھا کہ

میں عین ضرورت کے وقت آنعزیز کی شادی کا انتظام کروں اور جس فرض سے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے سبکدوش فرمایا۔ اسی طرح میرا یہ بھی فرض ہے کہ میں آنعزیز کو اپنے اہلِ خانہ کے متعلق چند ایک ضروری نصائح کروں کہ عنداللہ اپنے فرض سے سُبکدوش ہو جاؤں۔ سو واضح ہو کہ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے قُوْا انفسکم واھلیکم نارًا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی مروی ہے کہ خَیرُکُم خَیرُکُم لِاَھلِہٖ یعنی تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔ پس میری آنعزیز کو خلوصِ نیّت سے یہ نصیحت ہے کہ اس بچّی کے ساتھ نہایت پیار اور محبت کا سلوک کرو۔ دُنیا میں خدا سے ڈرو۔ آپ اس سے بڑھ کر تمہارا اور کوئی خیر خواہ نہیں۔ اس لئے تمہارا بھی فرض ہے کہ سب سے بڑھ کر اس کی بہتری، خیر خواہی اور خوشنودیٔ مزاج کا خیال رکھو۔ اپنے ہاتھ یا زبان سے کسی قسم کی ناجائز تکلیف اُسے نہ دو۔ کوئی ایسا کلمہ زبان پر نہ لاؤ جو حقارت آمیز یا موجب رنجیدگی یا موجبِ آزار ہو۔ جب کبھی گھر میں آؤ اس کے لئے کوئی نہ کوئی حسب توفیق اخلاص سے تحفہ لاؤ۔ اور اخلاص اور محبت سے پیش کرو۔ یہ محض اللہ کا احسان اور اس کا فضل ہے کہ اُس نے ایسی نرم دل، کم گو اور حیادار اور بہرحال راضی بہ رضا رہنے والی بیوی تمہیں عنایت کی ہے۔ یہ اُس کی ایک قابلِ قدر امانت ہے۔ چاہیئے کہ دیانتداری سے تم اس عہد کو پُورا کرو جو بحیثیت امین ہونے کے تمہارے ذمّہ عائد ہوتا ہے۔ چونکہ میری

یہ دلی تمنّا ہے کہ میری زندگی میں اس بچّی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملے نہ میری طرف سے نہ آنعزیز کی طرف سے اور نہ میرے کسی اور رشتہ دار کی طرف سے۔ مَیں نے اپنے اس مختصر سے قیام میں مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اس کی دلجوئی کرتا رہا ہوں۔ اس لئے تمہیں یہ کہہ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ آنعزیز کو لازم ہے کہ مقدور بھر کوشش کرکے میری اس خواہش کو پورا کریں۔ اوّل تو میرا تجربہ ہے کہ عورتوں کی طرف سے بہت کم ایسے واقعات ہوتے ہیں جو مردوں کو ناگوار گزریں۔ لیکن اگر ایسا ہو بھی تو درگذر کرنا چاہیئے اور پیار و محبت سے سمجھا دینا چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر انسان انہی فرائض کے ساتھ صرف اس فرض کو ہی کما حقہٗ ادا کردے تو نہ صرف حظائظ نفسانی کی نقد نعمت سے متمتع ہوگا۔ بلکہ نقد جنت کا بھی وارث قرار پائے گا۔ انشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ آنعزیز کو ان چند باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

ایک خط میں اباجی نے میری بیوی کو لکھا " آنعزیزہ کے دو محبت نامے یکے بعد دیگرے ملے اور بے حد قلبی راحت اور تسکین کا موجب ہوئے جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اس میں کیا شک ہے کہ والدہ صاحبہ کو آپ سے بہت محبت تھی اور وہ محبت محض اسی وجہ سے تھی کہ آپ کا سلوک ان سے خالص محبت

کا سلوک تھا۔ اُن کے نرم گرم کو آپ صبر سے برداشت کرتی تھیں اور اُن کے دُکھ درد میں برابر کی شریک ہو جاتی تھیں۔ مگر آپ کے (نائیجریا) چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل بھی انہوں نے اس قدر دکھایا کہ مرتے دم تک کبھی حرفِ شکایت مُنہ پر نہ آیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آمدہ اس جدائی کو بطیبِ خاطر منظور کیا اور آخری دم تک اس پر ثابت قدم رہ کر قابلِ تقلید نمونہ دکھایا۔ اللہ تعالےٰ ان کو بھی بڑے بڑے درجات عطا فرمائے اور ہم سب کے حالِ زار پر بھی رحم فرمائے۔ ہماری کمزوریاں دُور کرے اور ہمارا انجام بخیر کرے۔ آمین ثم آمین۔



حضرت مولانا ابو العطاء صاحب، مولانا محمد صادق صاحب سماٹری
مولانا روشن دین صاحب، اور مکرم بریگیڈیر غلام رسول صاحب کے ساتھ

۹

تحریک جدید کے اجراء کے ساتھ جب حضرت مصلح موعودؓ نے وقف زندگی کی تحریک فرمائی تو مَیں نے تھوڑی ہی دیر بعد اپنا نام پیش کردیا۔ اس وقت مَیں نے ایف اے کا امتحان پاس کیا ہُوا تھا اور لاہور کے ایک ہومیو پیتھک میگزین کے ادارتی بورڈ میں شامل تھا۔ حضورؓ کی طرف سے ارشاد مِلا کہ چند ایک واقفین لینے تھے وہ لے لئے ہیں۔ بوقت ضرورت آپ کو اطلاع دی جائے گی۔ اس کے بعد گاہے گاہے مَیں حضور کی خدمت میں اس بات کا اظہار کرتا رہا کہ خدمتِ دین کے لئے زندگی وقف کرنے کی شدید خواہش ہے۔ ایک دفعہ حضور سے ملاقات کے دوران مَیں نے یہ گذارش بھی کی کہ حضور اجازت دیں تو مَیں باہر کسی ملک میں چلا جاؤں اور تبلیغ کروں۔ حضور نے اجازت دے دی لیکن حالات سازگار نہ ہوئے۔ اور اس وقت میں باہر کسی ملک میں نہ جاسکا۔ مزید تعلیم کے لئے کالج میں داخل ہوگیا اور اسی دوران میری شادی بھی ہوگئی۔ بی۔ اے کرنے کے بعد میں نے دہلی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اُن دنوں تحریک جدید کی طرف سے مجھے بلاوا تو آیا لیکن چونکہ وہ خط پہلے کسی اور پتہ پر گیا تھا۔ مجھے نہ مل سکا۔ جب

دہلی میں مصلح موعود کے اعلان کا جلسہ ہُوا۔ اور حضور نے اس بات کا اعلان فرمایا کہ وقف زندگی کے لئے تعلیم یافتہ نوجوان نام پیش کریں۔ بلکہ اس بات کو ایک چیلنج کے رنگ میں پیش کیا کہ مَیں اپنے نوجوانوں کو بلاتا ہوں۔ غیر از جماعت لوگ بھی ایسا کر کے دکھائیں۔ خود ہی پتہ چل جائے گا کہ کس کی آواز پر لبیک کہا جاتا ہے۔ اس اعلان کے بعد ایک دفعہ پھر دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کی جائے۔ چنانچہ خاکسار نے ایک دفعہ پھر حضور کی خدمت میں درخواست کی جو اللہ کے فضل سے منظور کر لی گئی۔ اور خاکسار کو ارشاد ملا کہ پاسپورٹ بنوالیا جائے اور کچھ عرصہ قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملازمت سے رخصت حاصل کی جائے۔ اس رخصت کے بعد استعفیٰ دے کر میدانِ تبلیغ میں پہنچ کر کام شروع کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب میرے علاوہ گھر کے ایک ہی اور کمانے والے فرد یعنی (ابا جی) اپنی ملازمت کا عرصہ پورا کر کے رٹیائر ہونے والے تھے۔ پنشن زیادہ سے زیادہ تیس، چالیس روپے ملنی تھی اور میرا ایک چھوٹا بھائی ابھی سکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر مجھ سے یہ سُن کر کہ مَیں اپنی زندگی وقف کر رہا ہوں۔ ابا جی کے جذبات کچھ ملے جُلے سے تھے۔ جس کا انہوں نے اپنے خطوط میں اظہار کیا ہے۔ انہیں یہ بھی خیال آتا تھا کہ شاید میری جسمانی کمزوری کی وجہ سے حضور وقف منظور نہ فرمائیں۔ اس بات کے پیش نظر وہ مجھے غذا اور دَوا کا مشورہ بھی دیتے رہتے تھے۔ جب مَیں نے ابا جی کو لکھا کہ زبانی پیغام ملا ہے کہ

حضور نے وقف منظور فرمالیا ہے تو اباجی نے بعض باتوں میں احتیاط کی ضرورت کے پیشِ نظر مجھے لکھا۔ "آپ نے جو لکھا ہے کہ زبانی پیغام پہنچا ہے کہ حضرت صاحب نے وقف منظور فرمالیا ہے۔ اور جلد قادیان حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق پختہ طور پر یاد رکھیں کہ کسی زبانی پیغام پر چنداں اعتبار نہ کریں۔ جب تک دفتر تحریک جدید کی طرف سے باقاعدہ تحریر نہ مل جائے زبانی باتوں پر اعتبار نہ کریں ایک بات۔

دوسری بات یہ ہے کہ دفتر سے فراغت حاصل کرنے کے لئے MILD FORM میں اپنا استعفیٰ پیش کریں۔ اور اس میں اصل وجہ تحریر کریں کہ چونکہ مَیں نے اپنی زندگی دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہے اور اس طرح حضرت صاحب کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ مَیں اس کام کے لئے جلدی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ اس لئے مَیں نہایت ادب سے اپنا استعفیٰ پیش کرتا ہوں۔

تیسری بات یہ ہے کہ نوکری چھوڑتے وقت افسروں سے کسی قسم کی سختی یا لاپرواہی اور کسی قسم کی ایسی حرکت جس سے خفت ظاہر ہوتی ہو نہ کی جائے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ استعفیٰ کے منظور ہونے کا انتظار کرو جب استعفیٰ منظور ہو کر باقاعدہ اطلاع موصول ہو جائے اور محکمانہ طور پر اطلاع مل جاوے اس کے بعد دفتر کے تمام واقف کاروں اور افسروں سے نہایت خندہ پیشانی سے رخصت حاصل کرو۔ اور اپنی کوتاہیوں کیلئے عذر داری

کر دو اور پھر دہلی سے قادیان کے لئے روانگی کا انتظام کر دو۔ غالباً اگر کسی جگہ باہر بھیجنا ہوا تو اس کے لئے پاسپورٹ بنوانا پڑے گا۔ پس اگر حضور پاسپورٹ بنوانے کا ارشاد فرمائیں تو اس کے لئے محکمانہ طور پر درخواست دو اور پاسپورٹ بن جانے اور اپنے قبضہ میں کر لینے کے بعد استعفیٰ وغیرہ کی کارروائی کرو جس طرح حضور کی طرف سے ارشاد ہو۔ اگر حکم مبہم ہو کوئی بات سمجھ نہ آوے تو خط لکھ کر حضور سے وضاحت کرالو اس کی۔ باقی وقف کے متعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے۔ خدا کرے یہ منظوری آپ کے دین کے لئے دُنیا کے لئے، بال بچّوں کے لئے اور جملہ رشتہ داروں کے لئے خیر و برکت کا موجب ہو آمین ثم آمین۔

آپ کے لئے سب سے بڑی بابرکت بات یہ ہے کہ دُنیاوی باپ سے بہتر باپ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ ماں سے بہتر ماں اور بہنوں بھائیوں سے بہتر بہن بھائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیئے ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

اُنعزیز کی پیدائش پر کبھی مَیں اور رحیم بی بی مرحومہ سوچا کرتے تھے کہ اگر اُنعزیز اچھی تعلیم پالیں تو دین کے کاموں کے لئے وقف کر دیا جائے۔ وہ ہماری خواہش تو آنعزیز کی دنیوی تعلیم اور جسمانی کمزوری کی وجہ سے اب تک عملی جامہ نہ پہن سکی۔ مگر شکر ہے دبی ہوئی چنگاری آخر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی جاذب ہو گئی۔

مَیں اللہ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ جہاں کہیں آپ رہیں اور جس حال میں رہیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کی

خدمات کو قبولیت کا تاج پہنا کر ہم غریبوں کی عاقبت سنوارنے کا ایک ذریعہ بنادے آمین ثم آمین (۲۸-۶-۴۴ء)

جب میں قادیان سے نائیجیریا کے لئے روانہ ہوگیا (۸-۱-۴۵ء) تو بلادِ عربیہ میں کچھ دیر قیام کے دوران میرے ایک خط کے جواب میں ابا جی نے لکھا (۱۲-۳-۴۵ء) "اس کے یعنی (میرا خط) پڑھنے سے دل میں ایک وجد کی سی کیفیّت پیدا ہوگئی۔ پرلے درجے کی ناشکر گذاری ہوگی۔ اگر میں کھلے بندوں اس بات کا اقرار نہ کروں کہ آپ نے میرے سر پر ایک لازوال عزّت کا تاج رکھ دیا ہے اور مجھے ایسے مقام پر کھڑا کردیا ہے جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے۔ لمبی اور بابرکت عمر عطا فرمائے اور خدمت دین کی بیش از پیش توفیق عطا فرمائے اور دینی دنیوی کامیابیوں اور کامرانیوں سے آپ کا دامنِ مُراد بھر کر بخریت و عافیت واپس لائے۔"

اس خط میں اباجی نے مجھے یہ نصیحت بھی کی کہ بلادِ عربیہ میں قیام کے دوران قرآن کریم، فقہ اور حدیث کا علم حاصل کرتا رہوں اور نیز عربی زبان سیکھنے کی کوشش کرتا رہوں۔

میں راستے میں تھا تو اباجی کو میری خوراک اور صحت کا خیال آتا تو بے قرار ہو جاتے۔ ایک خط میں مجھے لکھا۔

"آپ جس قدر اپنے بدن کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں گے اور جس قدر غور پرداخت اپنی جسمانی صحت کی کریں گے اسی قدر آپ

کا وجود سلسلہ کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ پس اپنے آرام کی خاطر نہیں بلکہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بہتر سے بہتر خدمت کی خاطر اچھا کھائیں اچھا پہنیں اور اپنے جسم کو تا بمقدور آرام میں رکھنے کی کوشش کریں۔ تا بوقتِ ضرورت محنت اور مشقّت کے برداشت کرنے کی قابلیّت پیدا ہو۔"

جیسا کہ مَیں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ میری علمی، ادبی ترقی کے لئے حوصلہ افزائی کرتے۔ مَیں نے نائیجریا جانے سے چند روز قبل اپنی نظموں کی ایک مختصر سی کتاب "اشارے" چھپوائی تھی میری روانگی کے بعد انہوں نے اس کی دستی تقسیم کا انتظام کیا اور کئی احباب کو بذریعہ ڈاک بھیجی۔

سنٹرل لائبریری پٹھانکوٹ نے شعراء کے ایک تذکرہ کے لئے ابّاجی کے حالات اور نمونہ کلام مانگے تو اس کے ساتھ ابّاجی نے میرے مختصر سوانح اور اشارے کی ایک کاپی بھی ارسال کر دی۔ اشارے کی ایک کاپی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی خدمت میں بھی پیش کی تو آپ نے کتاب کی وصولی کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"سیفی صاحب تو غالباً افریقہ کے راستہ میں چلے جا رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ اُن کو کامیاب اور بامراد کرے۔ اُن کو جب آپ خط لکھیں تو میری طرف سے شکریہ ادا کر دیں اُن کے اشعار نے مجھے خوش وقت کیا ہے۔ خدا ان کو خوشوقت کرے آمین۔ نیز اُن سے عرض کریں کہ شعر جتنا آسان زبان میں ہو اُتنا وہ پبلک کے لئے زیادہ مفید ہوتا ہے۔"

بلادِ عربیہ میں قیام کے دوران ابّاجی نے ایک خط عربی زبان میں لکھا میں نے اپنے خط میں حضرت مسیح موعودؑ کے ایک عربی شعر کا استعمال کیا تھا۔ اس بات نے ابّاجی کو بہت خوش کیا اور یہ خط جو ابّاجی نے عربی میں لکھا اس خوشی کے اظہار کے لئے لکھا گیا تھا۔

ایک اور خط (۲-۷-۵۸ء) میں لکھا:۔

"عزیزا اس سے قبل میں نے کئی باتیں آنعزیز کی فزیکل ویلفیئر کے متعلق تحریر کی ہیں۔ مجھے امید رکھنی چاہیئے کہ آنعزیز ان پر حتّی المقدور عمل پیرا ہوتے ہوں گے۔ اب میں صرف ایک بات اور کہنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ کیمرہ ضروریات مبلغ میں سے ہے آپ وہاں تشریف لے جائیں تو ضرور ضرور ایک عمدہ کیمرہ خرید کر لیں اور مناسب مواقع کی تصاویر لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں ارسال کیا کریں۔

جب کبھی ابّاجی کو یہ اطلاع ملتی کہ حضرت مصلح موعودؓ نے میرے کام کے متعلق خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے تو ابّاجی فوراً مجھے خط لکھتے اور اپنی بے انتہا خوشی کا اظہار کرتے۔ خاکسار نے نائیجریا میں قیام کے دوران ایک ہفتہ وار اخبار THE TRUTH جاری کیا۔ اس سلسلہ میں ابّاجی نے لکھا:۔

"میں آج اُمّ اقبال کی ایک درخواست دینے کے لئے ڈیلی التبشیر کے دفتر میں گیا تھا۔ وہاں حافظ قدرت اللہ صاحب اور مولوی نورالحق صاحب انور نے بیان کیا کہ آپ نے جو انگریزی کا اخبار نکالا ہے وہ انہوں نے

کل حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ اُسے لکھ دو۔ "مجھے بہت خوشی ہوئی ہے اس طرح پریس بنانے کی بھی کوشش کریں۔" اگر یہ خبر صحیح ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ صحیح نہ ہو تو مَیں اس پر جس قدر بھی فخر و ناز کروں بجا ہے۔ میرے دل کی گہرائیوں سے آپ کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری دُعاؤں کو بپایۂ قبولیت جگہ دے اور آپ کے علم اور عمل دونوں میں برکت ڈالے اور آپ کے وجود کو احمدیت اور اسلام کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور بابرکت بنائے آمین ثم آمین (۲۶ - ۲ - ۵۲)۔

میری حوصلہ افزائی کا یہ بھی ایک انداز تھا کہ ایک دفعہ ($\frac{۵}{۵۲}$ ۲۷) آپ نے لکھا۔ "چاہتا ہوں کہ کسی ایسے ملک کو چلا جاؤں جہاں آب و ہوا معتدل ہو۔ مگر یہ ساری میرے مُنہ کی ہی باتیں ہیں۔ عملی رنگ میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ کیونکہ میرا دل چڑیا کے دل سے بھی چھوٹا ہے۔ اس سلسلہ میں جب مَیں آپ کی قربانیوں پر نگاہ کرتا ہوں تو نہ صرف صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ کے لئے شکر گذاری کے جذبات میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ آپ کی شجاعت، ہمّت اور جواں مردی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں . . . . اے میرے مولا تو میرے ننھے مُنّے کے نہ صرف دل و جان میں بیش از بیش برکت دے بلکہ اس کے جسم میں اُس کے مال میں۔ اس کی اولاد میں بھی غرض اس سے تعلّق رکھنے والی ہر چیز میں برکتوں کے لامتناہی خزانے رکھ دے۔

اس خط میں بعض اور باتوں کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ کے طریقِ تعلیم اور سلسلہ کے لئے وافر جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے لکھا۔

''کوئی ڈیڑھ دو ماہ سے ایک شامی نوجوان السیّد سلیم حسن الجابی یہاں تعلیم کی غرض سے آیا ہوا ہے۔ وکیل التبشیر صاحب نے پہلے دو چار دن کے اندر اندر اُس کے لئے کئی استاد تجویز کئے۔ کسی سے اس کی تسلّی نہ ہو سکی۔ آخر اس نے کہا کہ مَیں یہاں اپنا وقت ضائع کرنے نہیں آیا مَیں تو کچھ سیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے جامعۃ المبشرین سے رجوع کیا انہوں نے کہا ہمارے پاس ایسے لوگوں کے لئے ایک ہی استاد ہے یعنی یہ خاکسار۔ اُسے آپ آزما لیں۔ اگر ان کی تسلّی ہو سکے تو بہتر۔ چنانچہ جابی صاحب اگلے دن جامعہ میں تشریف لے آئے اور الحمدللہ کہ نہایت مطمئن ہوئے۔ چنانچہ اس دن سے آج تک اس خاکسار سے اُردو پڑھتے ہیں..... آپ نے جو مجھے کتب دی تھیں اُن سے مجھے اس سلسلہ میں بہت مدد ملی ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اگر کوئی ثواب اس خاکسار کو دینے والا ہے۔ تو میری دلی دعا یہ ہے کہ اس کا اکثر و بیشتر حصّہ آپ کو ملے۔ ربّنا تقبل منا انك انت السمیع الدعاء.... ان باتوں کے علاوہ ایک بات اور کہنے والی ہے اور وہ یہ ہے کہ ربوہ میں جامعۃ المبشرین کی عمارت کے لئے حضرت اقدس نے تیس ہزار روپیہ جماعت سے چندہ کر لینے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں ممکن ہے پرنسپل صاحب باہر کے مشنوں

کو بھی تحریک کریں۔ لہذا آنعزیز کی خدمت میں سب سے پہلے یہ تحریک کرنے کی میں سعادت حاصل کرتا ہوں کہ اس ادارے کی اہمیت لوگوں کے ذہن نشین کر کے جس قدر چندہ آپ بھجوا سکیں خاکسار کے نام بھیج کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔ پرنسپل صاحب کی تجویز یہ بھی ہے کہ جو شخص یکصد روپیہ چندہ دے کتبے پر اُس کا نام کندہ کرایا جائے گا۔ ایسی ہی ایک تحریک میں انشاء اللہ تعالیٰ مولوی محمد شریف صاحب کو بھی بھجواؤں گا۔"

اس ائیر لیٹر کے اس حصّہ پر جہاں مکتوب الیہ کا پتہ لکھا جاتا ہے ٹکٹ سے اوپر تھوڑی سی جگہ میں اباجی نے یہ شعر لکھا:

نامہ بر خط پہ میری آنکھ کو رکھ کر لے جا
کیا گیا تو جو یہی دیکھنے والی نہ گئی

۱۹۵۵ء میں جب حضرت مصلح موعودؓ یورپ تشریف لے جانے والے تھے تو اباجی نے مجھے لکھا "حضرت صاحب آجکل کراچی مقیم ہیں اور چند یوم تک سفر یورپ پر روانہ ہونے والے ہیں۔ حضور نے اپنے خطبات میں جو تحریک سفر یورپ کے متعلق کی تھی۔ اخبارات کے ذریعہ آپ کو پہنچ گئی ہوگی۔ حضور کی تحریک کے مطابق امانت خاص میں حصّہ لینے کی تحریک کر کے آپ بھی ثواب میں شامل ہو جائیں۔ آپ کا علاقہ چونکہ پونڈوں کا علاقہ ہے۔ اس لئے اگر سفر یورپ کے اخراجات کی ادائیگی کے لئے چند ایک مستطیع احباب اور کچھ نہیں تو بطور قرض ہی رقوم دے سکیں تو

یہ بھی سفر میں بہت بڑی سہولت پیدا کرنے کا موجب ہوگا(۱۵-۴-۵۵)
جب کوئی شخص اپّا جی سے میرا ذکر کرتا اور اس میں نائیجیریا مشن کے کام کی تعریف کا کوئی پہلو نکلتا تو آپ مجھے فوراً خط کے ذریعہ اطلاع دیتے۔ غانا سے ایک لوکل مبلغ ابراہیم محمد مانو صاحب ریفریشر کورس کے لئے جامعہ میں داخل ہوئے تو اپّا جی نے مجھے لکھا۔ "غانا کا ایک طالبعلم ابراہیم محمد مانو یہاں آیا ہُوا ہے وہ آپ کی بڑی تعریف کرتا ہے وہ کہتا ہے۔

He is very active, very clever. He can control the whole nation. His English is very high. He makes the audience spell bound when delivers his sermons.

عیسائی پادریوں کے ساتھ آپ کے جو معرکے ہوتے رہتے ہیں ان کی دھاک برّ اعظم افریقہ سے گذر کر پاکستان پہنچتی رہتی ہے۔ ماشاءاللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کام کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ آپ کو اپنی رضامندی کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین"
اسی خط میں آپ نے میری ایک نظم جس کا مطلع ہے

ہر وقت آنسو ہر وقت آہیں ٭ ہم اپنے دل سے کیسے نباہیں

کو سراہا ہے اور سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون کے ربوہ آنے اور میرا ذکر کرنے کی بھی اطلاع دی ہے۔ مکرم سردار صاحب کی بات کا مفہوم اباجی نے درج ذیل الفاظ میں دہرایا کہ " دلّی میں ایک دبلا پتلا نوجوان ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے نوکری چھوڑ دی ہے تبلیغ کرنے جا رہا ہوں۔ مجھے اس کی عقل پر حیرانی آئی۔ وہ بڑا اچھا رائٹر اور بڑا اچھا شاعر تھا۔ مجھے نام یاد نہیں آرہا" کسی نے کہا وہ نسیم سیفی تھا۔ کہنے لگا۔ " ہاں ہاں تو میرے خیال میں اگر وہ اس طرف پڑتا تو بہت اچھا شاعر اور بہت اچھا مصنّف بنتا۔"

یہ سب باتیں وہ میری حوصلہ افزائی کے لئے لکھتے تھے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ ہر شخص اپنے باپ کے ایسے خطوط پا کر اپنے مفوّضہ کام میں کامیابی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔ مجھے اس حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں اپنے کام کو بہتر بنانے اور اپنی رفتار کو تیز کرنے میں کہاں تک مدد ملی اور میں نے اس سے کتنا فائدہ اٹھایا یہ میرے اپنے کہنے کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے میں فائدہ اٹھا سکا یا نہ اٹھا سکا یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو اس کا ضرور اجر دیا ہوگا۔

مرکز میں آکر جب میں نے ماہنامہ تحریک جدید جاری کیا تو اس کا پہلا پرچہ ملتے ہی (اس وقت اباجی ایبٹ آباد میں تھے)۔ مجھے خط لکھا

پرچہ کو سراہا اور بے انتہا خوشی کا اظہار کیا اور اس خوشی کے نتیجہ میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر دُعا کرتے رہے اور دس مستحق خریداروں کے نام پرچہ جاری کرنے کے لئے چندہ ارسال کر دیا۔ (۱۰-۸-۶۵ء)

اس پرچہ کی ادارت کے سلسلہ میں وہ کبھی کبھی کسی نہ کسی رنگ میں مجھے اس بات کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے کہ فارسی کا ضرور مطالعہ کیا جائے اور اردو زبان کے معیار کو بڑھانے کے لئے فارسی ضرور سیکھنی چاہیئے۔ بعض اَور مشورے بھی دیتے تاکہ پرچے کی ادارت کے فرائض بہتر طریق پر سرانجام دیئے جا سکیں۔

ابّا جی کے خطوط کے جو اقتباس میں نے درج کئے ہیں وہ نہ صرف میری حوصلہ افزائی اور راہنمائی کا باعث ہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ دیگر مبلغین اور ان کے والدین کے لئے بھی مشعل راہ ثابت ہونگے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور ابّا جی کو اس کا اجر ملتا رہے۔

۱۰

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ابا جی نے چھٹی جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد ہی درس و تدریس کا کام شروع کر دیا تھا۔ سب سے پہلا سکول جس میں آپ نے پڑھایا وہ سبحان پور ٹیرہ میں تھا۔ اور آپ کے چچا جان اس سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اس کے بعد تلونڈی جھنگاں، ملکہ ہانس، دیپال پور، لاہور، بھکر، باغبانپورہ، شیخوپورہ، شرق پور، بہادر گڑھ، گورداسپور، امرتسر اور جنڈیالہ کے سکولوں میں تدریسی فرائض سر انجام دیئے۔ بھکر کے سکول کی ملازمت کے دوران وہاں کا سکول صوبائی حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا اور اس طرح آپ گورنمنٹ سروس میں آ گئے۔ اور ۱۹۴۵ء میں اس سروس سے ریٹائر ہوئے۔ ان تمام جگہوں کی سوائے بہادر گڑھ اور جنڈیالہ جہاں آپ نے بہت کم وقت سروس کی خوشگوار یادوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شاگردوں سے ذاتی تعلق پیدا کر کے اُن کی زندگی کو بہتر بنانے میں دلچسپی لیتے۔ عام طور پر تعلیم کے دوران سرزنش تک رہے۔ کبھی کبھار غالباً سارے تدریسی عرصہ میں دو یا تین دفعہ بعض طالب علموں کو بدنی سزا بھی دی۔ ایک واقعہ آپ نے اپنی ڈائری میں یوں لکھا ہے (یہ بھکر کی بات ہے)۔

"قریشی محمد صادق صاحب (ہیڈ ماسٹر) بڑے شریف، نیک اور مرنجان مرنج بزرگ تھے اُن کے زمانہ میں ایک دن آٹھویں جماعت میں مَیں فارسی پڑھانے کے لئے گیا تو ایک لمبے قد کا ہندو لڑکا پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا نصاب کی کتاب میں اس دن کا سبق اس طرح شروع ہوتا تھا " بر بالین تربتِ یحییٰ پیغمبر علیہ السلام معتکف بودم در جامع دمشق "۔ چونکہ وہ ہندو لڑکا تھا مَیں بالین تربت یحییٰ معتکف اور جامع دمشق کی تشریح کرنے لگا تاکہ پڑھنے والا اچھی طرح سمجھ جائے۔ تو وہ لڑکا کھلکھلا کر ہنس پڑا جس پر مَیں کچھ کھسیانہ سا ہو گیا میرے ہاتھ میں بید کی بڑی مضبوط چھڑی تھی مَیں نے سمجھا " گربہ کشتن روزِ اوّل" پر عمل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مَیں نے مار مار کر لڑکے کا بھُرکس نکال دیا اور اسے جماعت سے نکال باہر کیا۔ دوسرے دن وہ لڑکا اپنے والد اور دوسرے رشتہ داروں کو ساتھ لے کر آیا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس سب شاکی ہوئے کہ فلاں ماسٹر نے لڑکے کو مار مار کر کلاس سے باہر نکال دیا ہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بغیر مجھے بلانے کے اُن سے کہا کہ میرے ماسٹر نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ اور آپ لوگوں کو اگر لڑکے کو پڑھانا منظور ہے تو اس استاد سے تحریری معافی مانگیں۔ ورنہ لڑکے کو لے کر سکول کے احاطہ سے باہر چلے جائیں۔ یہ جواب سنکر انہوں نے مجھ سے معافی طلب کی جو مَیں نے فوراً دے دی۔ اور لڑکے کو جماعت میں بیٹھا لیا۔ اس کے بعد اس لڑکے نے سارے شہر میں میرے متعلق مشہور

کر دیا کہ پڑھاتا تو بہت اچھا ہے مگر مارتا بہت ہے"۔

جہاں تک شاگردوں سے ہمدردی اور اُن سے پیار کا تعلق ہے یہ بات پُوری طرح نمایاں ہوکر اس وقت سامنے آئی جب اباجی نے جامعہ احمدیہ میں پڑھانا شروع کیا۔ جامعہ احمدیہ میں اباجی نے نومبر ۱۹۴۹ء میں پڑھانا شروع کیا تھا۔ مکرم وکیل الدیوان صاحب نے آپ کو لکھا تھا۔ "آپ کو حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے چینی طالب علموں کو مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق پڑھانے کے واسطے مقرر فرمایا ہے ۔ پروگرام:-

اردو: ۳ گھنٹے ، انگریزی: ایک گھنٹہ ، قرآن مجید ایک گھنٹہ روزانہ پانچ گھنٹے پڑھایا کریں"۔

اباجی نے ڈائری میں جامعہ احمدیہ میں تدریس کے متعلق لکھا ہے۔

"۱۹۴۹ء میں چھ سات چینی طلباء ربوہ آگئے۔ حضور نے خود ہی ان چینیوں کو پڑھانے کے لئے میرا انتخاب فرمایا چنانچہ اس وقت سے اب تک بفضلہ تعالیٰ میں جامعہ احمدیہ میں بطور اردو ٹیچر کام کر رہا ہوں اور اس پندرہ، سولہ سال کے عرصہ میں امریکہ شمالی وجنوبی، جرمنی، انگلستان، افریقہ، انڈونیشیا، شام، سنگاپور، چین اور جاپان وغیرہ کے کئی طالب علموں کو اردو پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۲۸ جولائی ۱۹۶۶ء کو ایک صاحب احمد شمشیر سوکیا آف ماریشس ربوہ سے چار سال تعلیم پانے کے بعد اپنے وطن عزیز واپس لوٹے۔ ان کو علاوہ اردو کی دو چار کتابیں پڑھانے کے حضرت مسیح موعودؑ کی کتب اسلامی اصول کی فلاسفی، کشتی نوح،

ایام الصلح، آئینہ کمالات اسلام، کتاب البریہ، سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، نزول المسیح وغیرہ وغیرہ کتب پڑھائی گئیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مبارک کرے اور ان کی برکتوں سے اس خاکسار کو بھی نوازے۔

اباجی اکثر اپنے غیر ملکی طلباء کو کھانے پر گھر بلاتے اور بڑی محبت سے خود کھانا ڈال ڈال کر اُن کے آگے رکھتے اور دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ اباجی کیلئے یہ لمحات انتہائی مسرت کے ہوتے تھے۔ جہاں تک طریق تعلیم کا تعلق ہے محترم میر داؤد احمد صاحب مرحوم کا ایک نوٹ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ غیر ملکیوں کو پڑھانے کا اباجی کا طریق نہایت کامیاب اور مفید تھا۔

۲۰ رمئی ۱۹۶۹ء کو محترم میر صاحب کو لکھا۔ ''عزیزان منیر الاسلام وامداد الرحمٰن کو آپ اسی سال معہدہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کل زبانی بھی گذارش کی تھی کہ ابھی طالب علموں کا ذخیرہ الفاظ بھی بہت کم ہے۔ اور املاء بھی نہایت کمزور اسی نسبت سے ان کی فہمید کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس حالت میں معہدہ میں اُن کا داخلہ نقصان دِہ ہو گا۔ پس میری گذارش یہی ہے کہ اس سال معہدہ میں داخل نہ کیا جائے۔ زبان آخر زبان ہے۔ کوئی جنتر منتر نہیں ہے کہ چند ہی یوم میں اُن کے اندر پھونک دی جائے''۔

اس کے جواب میں محترم میر صاحب نے تحریر فرمایا۔ ''ہم تو آپ کو جنتر منتر کا ماہر ہی سمجھتے ہیں ورنہ جتنی جلدی آپ نئے طالب علم کو چلا

لیتے ہیں میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔"

چلتے چلتے یہاں ابا جی سے محترم میر صاحب کی محبت کا ایک چھوٹا سا واقعہ بھی پیش ہے۔ ۱۹۷۲ء کے جلسہ کے بعد ابا جی نے میر صاحب کو لکھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آنمکرم کے پاس چینی دستیاب ہے۔ براہِ کرم خاکسار کو موازی ۲۰ سیر عطا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ مبلغ پچاس روپے درخواست ہذا کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ محترم میر صاحب نے جواباً فرمایا: "انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جب ختم ہو گئی تو آپ کا ارشاد پہنچا مجھے آپ کو انکار کرتے یا معذرت کرتے سخت کوفت ہو رہی ہے۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو آپ کو تکڑ میں تول کر اتنی چینی پیش کر دیتا سخت شرمندہ ہوں"۔

ایک اور خط میں محترم میر صاحب نے ابا جی کو تحریر فرمایا "آپ تو در اصل جامعہ کی رونق ہیں میرے دل میں جتنی محبت اور قدر آپ کی پائی جاتی ہے۔ الفاظ اسے ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے اور ہماری بہار لمبا عرصہ قائم رہے۔"

یوں تو ابا جی کو وقت کی پابندی کا شروع ہی سے خیال رہتا تھا اور اپنے مفوضہ فریضے کی ادائیگی کے لئے آپ کو ایک لمحہ کی تاخیر بھی ناگوار گذرتی تھی لیکن جامعہ احمدیہ میں تو وقت کی پابندی سے بھی کچھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ یعنی ۱۵، ۲۰ منٹ اور غالباً آدھ گھنٹہ وقت سے پہلے جامعہ پہنچتے تھے۔ دیگر تمام اساتذہ جب جامعہ پہنچتے تو ابا جی کو وہاں موجود پاتے۔ ایک دفعہ محترم پرنسپل صاحب (محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب) نے کوئی

نوٹس جاری کیا جو ایسے اساتذہ کے متعلق تھا جو تاخیر سے جامعہ میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ نوٹس اباجی کی نظر سے بھی گذرا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ بھی اس کے مخاطب ہیں۔ اباجی نے مکرم پرنسپل صاحب کو اپنے طریقہ کار کے متعلق چند الفاظ لکھے وہ الفاظ تو میرے سامنے نہیں لیکن محترم پرنسپل صاحب کا جوابی نوٹ موجود ہے۔ آپ نے لکھا۔ "آپ کا ارشاد ملا اس شکایت کے آپ محترم مورد نہیں ہیں بلکہ آپ تو ایک بزرگ استاد اور فرض کو عشق کی حد تک نبھانے والے کارکن ہیں۔"

بعض طالب علموں نے مجھے بتایا ہے کہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ اباجی نے اپنے شاگردوں کو یہ بتانا ہے کہ لڈو کیا ہے تو وہ لڈو اپنی جیب میں ڈال کر لایا کرتے تھے اور طالب علموں کو لڈو دے کر ان سے بار بار کہلواتے تھے یہ لڈو ہے۔ اسی طرح جب یہ سمجھانا ہوتا تھا کہ عام رفتار سے چلنا اور بھاگنا کیا ہے تو اپنی دو انگلیاں میز پر رکھ کر پہلے اُن کو آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے آگے کرتے جیسے دو قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہوں۔ اور شاگردوں سے کہتے چلنا۔ پھر ان دو انگلیوں کو باری باری تیزی سے آگے بڑھاتے اور کہتے بھاگنا۔ گویا چلنے اور بھاگنے کے فرق کو وہ اس طرح واضح کرتے تھے۔

اس بات کا اکثر ذکر کرتے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ اُن سے تعلیم پانے والے نوجوان دُنیا کے مختلف کونوں میں تبلیغ اسلام کے جہاد میں مصروف ہیں۔ کبھی کبھی اُن کے اپنے دل میں بھی

یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ وہ خود کسی بیرونی ملک میں جاکر تبلیغِ اسلام میں حصّہ لیں۔ ایک دفعہ ایک رنگ میں یہ موقع پیدا ہوا بھی لیکن عمر کا تقاضا آڑے آیا اور غالباً بعض اَور وجوہات بھی۔ اور آپ باہر نہ جا سکے۔ اس موقع پر امریکہ میں بچّوں اور نوجوان نسل کی تربیت کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے آپ کو بھیجا جانا مقصود تھا۔ جونہی ابّاجی کو پتہ چلا کہ ان کو امریکہ بھیجے جانے کا امکان ہے۔ ابّاجی نے اپنے جگری دوست مکرم مشتاق احمد صاحب باجوہ کو اس کی اطلاع دی۔ اس کے جواب میں مکرم باجوہ صاحب نے آپ کو تحریر کیا۔

"مبارک ہو کہ آپ کے لئے امریکہ جانے کا موقع پیدا ہوا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے عظیم الشان خدمت لے گا۔ ضرور جایئے اور جلدی جایئے۔" یہ خط باجوہ صاحب نے ۱۸-۶-۷۴ء کو زیورک سے لکھا تھا۔ اس خط سے ایک اور بات کا بھی پتہ چلتا ہے اور وہ یہ کہ محترم باجوہ صاحب نے ابّاجی کو ہدیہ کے طور پر کچھ رقم بھیجی ہوگی۔ ابّاجی کبھی ایسے ہدیے نہیں لیا کرتے تھے۔ چنانچہ باجوہ صاحب نے لکھا۔ "آپ کا گرامی نامہ ۵/۶ مع چیک ملا۔ آپ نے چیک ہی واپس کر دیا۔ آپ کی خوشی۔"

جامعہ ہی کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے اور اس کو قابلِ ذکر اس لئے سمجھتا ہوں کہ دوستوں کے دل میں ابّاجی کے لئے دُعا کی تحریک پیدا ہو۔ محترم سیّد میر داؤد احمد صاحب نے دارالاقامہ قائم کیا ہوا تھا جس میں

ایسے طلباء کا قیام تھا جنہیں کسی نہ کسی رنگ میں مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اباجی دارالاقامہ کے لیے مستقل طور پر ایک خاص رقم باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور اس کے علاوہ آپ نے ایک اور چندہ اپنے اوپر تقریباً واجب کر لیا ہوا تھا اور وہ چندہ تھا "برائے امداد طلباء"۔

جامعہ احمدیہ کی عمارت اور بعض دیگر ضروریات کے لئے اباجی نے چندے کے طور پر ہزاروں روپے دیئے۔ وہ خود تو شاید دوسروں سے اس بات کا ذکر پسند نہ کرتے لیکن اب جبکہ اُن کی خدمت صرف دعاؤں سے کی جا سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بات کا بیان کر دینا ناواجب نہ ہو گا۔ محترم پرنسپل صاحب کا ایک خط اباجی کے نام اس موضوع کا حامل ہے کہ اباجی نے لائبریری جامعہ کے لئے حدیث کی مشہور کتاب صحیح بخاری کے دس سیٹ خریدنے کیلئے مبلغ پندرہ سو روپے دیئے۔ چنانچہ یہ کتب خرید کر لائبریری میں شامل کر لی گئیں۔ ۵۰۰۰، ۵۰۰۰ کی رقوم بھی جامعہ کی ترقی اور بہبود کے لئے دیں۔ ایک اور خواہش جس کی تکمیل میں کوشاں رہتے تھے یہ تھی کہ اپنے رفقائے کار کی مالی اعانت کی جائے چنانچہ آپ کے کاغذات میں سے متعدد ایسی تحریریں ملی ہیں جن میں رقوم کے دیئے جانے کا اور ان کی واپسی کا ذکر ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ عمر کے اس حصہ میں اباجی اپنے آپ کو اس قابل پاتے تھے کہ مالی طور پر افراد اور اداروں کی خدمت کر سکیں۔ اس کے لئے ہم بھی اللہ تعالیٰ کے انتہائی شکر گزار ہیں۔

ضعیفی اور کمزوری کے باوجود ابّاجی کا دل چاہتا تھا کہ جامعہ احمدیہ میں تدریس کا کام زندگی کے آخری لمحوں تک جاری رکھیں۔ جب خود پیدل چل کر جانے کے قابل نہ رہے تو ٹانگہ لگوا لیا۔ جب ٹانگہ میسر نہ آتا تو کسی طالب علم کی سائیکل پر بیٹھ کر جامعہ پہنچتے اور گھر واپس آتے (سائیکل پر لے جانے کے سلسلہ میں شیخ محمد نعیم صاحب جو اب ماشاء اللہ سلسلہ کے ایک ہونہار مربی ہیں، نے بہت خدمت سرانجام دی)۔ بعض اوقات جامعہ سے واپسی کے لئے صاحبزادہ عبدالصمد صاحب یا ان کے بڑے بھائی صاحبزادہ طیّب صاحب اپنے والد محترم کی گاڑی پر انہیں گھر چھوڑ جاتے تھے۔ ایک دفعہ اباجی کو یہ خیال بھی نہایت شدّت کے ساتھ آیا کہ آپ ایک موٹر سائیکل خرید کر کسی کو دے چھوڑیں کہ وہ انہیں جامعہ احمدیہ لے جائے اور واپس لے آیا کرے (غالباً مطلب یہ بھی تھا کہ باقی وقت وہ اپنے استعمال میں لائے) موٹر سائیکل (یا سکوٹر) کی خرید کے لئے وہ کافی دیر اصرار کرتے رہے اور اپنی جیب سے قیمت ادا کرنے کے لئے کہتے رہے۔ لیکن چونکہ موٹر سائیکل پر اُن کے لئے بیٹھنا مشکل ہو جاتا اس لئے اُن کی توجہ اس بات کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کی جاتی رہی۔

جب بالکل معذور ہو گئے اور کسی صورت بھی جامعہ احمدیہ میں حاضری نہ دے سکتے تھے تو مجھ سے پوچھا کہ اب مَیں کیا کروں۔ مَیں نے نہایت خلوص دل کے ساتھ مشورہ دیا کہ اب آپ جامعہ جا ہی نہیں سکتے تو پھر جانے کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ استعفیٰ دے دیں۔ میرے کہنے

پر آپ نے استعفیٰ تو دے دیا لیکن کافی دیر تک اس بات کا انہیں قلق رہا۔ اگرچہ وہ جامعہ جا نہیں سکتے تھے اور اس بات کا انہیں بخوبی احساس تھا۔ لیکن چونکہ خواہش یہی تھی کہ وہ اس کارِ خیر کو جاری رکھیں اس لئے وہ مجھ سے کہتے رہے تم نے مجھ سے جامعہ چھڑوا دیا۔ یہ بات بھی اُن کے اس جذبے کی شدّت پر دلالت کرتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک خدمتِ دین میں مصروف رہنا چاہتے تھے۔

جامعہ احمدیّہ سے استعفیٰ دے دینے کے بعد بھی آپ نے غیر ملکی طلباء سے رابطہ رکھا۔ غیر ملکی طلباء خود بھی انہیں ملنے کے لئے گھر پر آتے تھے اور ابّاجی ان میں سے بعض کو خود کہہ کر بھی بُلا لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تمام غیر ملکی طلباء آئے اور انہوں نے ابّاجی کی آواز ریکارڈ کی اور آپ کے ساتھ بہت سی تصویریں بھی لیں۔

گھر بیٹھے بھی ابّاجی ان طلباء کی ذاتی ضروریات اور ان کے گھریلو امور میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ چونکہ طبّ سے ایک خاص مناسبت تھی اس لئے بعض طلبا کو نسخے لکھ کر اور بنا کر بھی دیتے تھے۔ ایک انڈونیشی طالبِ علم نے انڈونیشیا جا کر ابّاجی کو خط لکھا اور ایک دوائی کا ذکر کیا جو یہاں سے روانگی کے وقت اسے دی تھی۔

جامعہ احمدیّہ میں تدریس کے متعلق اس کتاب میں بعض اور جگہوں پر بھی ذکر کیا گیا ہے کتابوں سے لگاؤ کے سلسلے میں بھی محترم مولانا محمد شریف صاحب کو لکھے گئے خطوط اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ آپ جامعہ کے

طلباء کو پڑھانے کے لئے کس طرح خود بھی تیاری کرتے تھے اور طلباء کو بھی کس قابل بنانے کی کوشش کرتے تھے ۔ ایک خط میں آپ نے تحریر کیا۔ "عزیزا اگرچہ میں جامعۃ المبشرین میں پڑھاتا ہوں مگر چونکہ علم ناقص ہے۔ اس لئے اپنا ہی ضمیر اندر ہی اندر ملامت کرتا رہتا ہے کوئی ایسے سامان بھی میّسر نہیں ہیں کہ اس علم کی تکمیل کی جا سکے صرف گذارہ کرنے والی بات ہے۔ وہ کتابیں جو عزیزم نور محمد صاحب نے مجھے دیں تھیں اُن سے مجھے بہت فائدہ ہوا ہے۔ آپ اگر وہاں سے ضروری اسماء اور ان کے بالمقابل اُن کے اُردو یا پنجابی نام تحریر کرتے رہیں تو یہ چیز میرے لئے بہت مفید رہے گی۔ مثلاً ہمارے ہاں لڈو۔ بوندی کے لڈو۔ پیڑے۔ برفی۔ جلیبیاں۔ بالوشاہی۔ قلاقند۔ شکرپارے۔ بے دانہ۔ گلاب جامن۔ سویاں۔ سموسے پکوڑے۔ نمکین دال۔ سوہن حلوہ۔ حبشی حلوہ۔ حلوہ پوری اور کتلمہ وغیرہ میٹھی اور نمکین چیزیں ہوتی ہیں آپ کے ہاں کون کون سی مٹھائیاں وغیرہ ہوتی ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں ہمارے ملک کی کونسی مٹھائی سے وہ مشابہ ہیں مثلاً قطیفہ، بقلاوا، ولیقہ، شعبیّات مستک، راحۃ الحلقوم۔ ملبّس وغیرہ مٹھائیاں ہمارے ہاں کن کن مٹھائیوں سے مشابہ ہیں۔

ہے۔ خدا کی قدرت جس سُرخ پنسل سے مَیں نے نمبر لگائے تھے۔ اس کا رنگ اَور تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ غلطیاں کسی نفسانی غرض کے ماتحت دانستہ بنائی گئی ہیں۔ دراصل غلطیاں نہیں ہیں۔ جب یہ معاملہ مَیں نے قاضی صاحب کے سامنے پیش کیا تو وہ مجھ سے معذرت کرنے لگے اور اُن کی بے رُخی فوراً مہمان نوازی سے بدل گئی۔ اور اسی وقت میرے سامنے چائے اور پیسٹری کی پلیٹ آ گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا اور اس ماتحت کی شرارت اور منصوبہ بازی بالکل ناکام ہو گئی۔ اور مَیں متواتر پانچ سال تک یہ خدمت سرانجام دیتا رہا۔ فالحمد للہِ رب العٰلمین۔"



ایک جاپانی شاگرد مسٹر یوشیدا اور مکرم حافظ بشیر الدین صاحب عبید اللہ کے ساتھ۔

۱۲

قوّتِ ارادی اس قدر مضبوط تھی کہ جب ایک بات کا فیصلہ کر لیتے تھے تو اُس کے لئے اپنی تمام استعدادیں صرف کر دیتے تھے۔ شروع ہی سے ابّا جی کو تمباکو نوشی کی عادت تھی۔ مجھے یاد ہے کہ دُور دُور سے کڑوے سے کڑوا تمباکو منگواتے اور سارا دن حقّہ نوشی کرتے۔ حقّہ کو ٹھنڈا کیا جا رہا ہے۔ تمباکو اور گڑ کو مَسلا جا رہا ہے اچھی آگ تیار کی جا رہی ہے۔ یہ سب حُقّہ نوشی کے لوازمات تھے۔ غالباً ۱۹۴۸ء میں آپ نے فیصلہ کیا کہ تمباکو نوشی ترک کر دی جائے۔ ایک سگریٹ خریدی۔ دو تین کش لگائے اور ماچس کی ڈبیا میں سگریٹ کا باقی ماندہ ٹکڑا رکھ لیا۔ اس وقت ابّا جی کی عمر ۵۰ سال کے لگ بھگ تھی۔ آپ ماشاء اللہ ۹۳ سال کی عمر تک زندہ رہے۔ لیکن سگریٹ کے اُن دو تین کش کے بعد ساری عمر نہ حُقّہ پیا نہ سیگریٹ۔ گویا کہ یکسر اور یک لخت تمباکو نوشی چھوڑ دی۔ یہ بات قوّتِ ایمانی اور قوّتِ ارادی کے مضبوط ہونے سے ہی وقوع پذیر ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ اس مختصر سی تحریر کے آغاز میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابّا جی نے

اپنی ملازمت کا آغاز آٹھ روپے ماہانہ تنخواہ سے کیا تھا۔ایک لمبا عرصہ اس بات کا احساس رہا کہ کچھ تھوڑی سی فراخی ہو تو حسب منشا و جماعتی چندوں میں حصّہ لے سکیں۔عمر کا ایک طویل حصّہ یہ خواہش صحیح معنوں میں پُوری نہ ہو سکی لیکن یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ آخری سالوں میں (یعنی آخری ۲۰، ۲۵ سالوں میں) اللہ تعالیٰ نے ابّا جی کی یہ خواہش پُوری کرنے کا فضل فرمایا۔ امراء کے لئے تو ہزاروں روپیہ چندہ دینا کوئی بڑی بات نہیں لیکن ابّا جی جیسے حالات والے شخص کا اس قابل ہو جانا کہ کئی دفعہ پانچ پانچ ہزار کی رقوم ادا کی جائیں۔طلباء اور خاص طور پر غریب طلباء کی امداد کے لئے مسلسل چندے دیئے جائیں۔تحریک جدید، وقفِ جدید، نصرت جہاں جوبلی فنڈ، مسجد مہدی گولبازار وغیرہ کے لئے بھی۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز وقفِ جدید کے ناظم مال تھے تو آپ نے اپنے دستخطوں سے ابّا جی کو درج ذیل خط تحریر فرمایا۔

"اُمید ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے بخیریت ہوں گے آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو عید الفطر مبارک ہو۔ اللہ تعالےٰ آپ کے روزے آپ کی نمازیں اور اشاعتِ اسلام کے لئے آپ کی مالی قربانیاں قبول فرمائے۔ اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے آپ کی مخلصانہ جد وجہد بار آور فرمائے۔ آپ کو اپنے فضل اور رحمت کے انعامات سے نوازے اور غلبۂ اسلام کی عیدِ سعید کا مبارک دن دیکھنا نصیب فرمائے"۔

ایک دفعہ محترم حافظ قدرت اللہ صاحب نے اخبار کا ایک تراشہ بھیجا۔ اس میں بوڑھوں کو جوان بنا دینے کے لئے کسی ڈاکٹر کی تیار کردہ دوائی کا ذکر تھا اور ایک بوڑھے آدمی کو گھاس کاٹنے والی مشین کے ساتھ گھاس کاٹتے دکھایا گیا تھا۔ اباجی کے دل میں یہ دوائی منگانے کی خواہش پیدا ہوئی تو آپ نے اس اخبار کے اڈیٹر کو خط لکھا۔ (یہ اخبار نیوز آف دی ورلڈ) جس کی اشاعت دُنیا کے ہر دوسرے اخبار سے زیادہ ہے۔ اخبار کے اسسٹنٹ اڈیٹر مائیکل گیرٹ نے جواباً لکھا کہ حال ہی میں چھپنے والے مضامین میں انہوں نے متعدد دوائیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے تین دوائیوں کے نام اور اُن کے حاصل کرنے کے لئے پتہ جات بھی تحریر کئے۔ لیکن اباجی کو اُن کے خط کا جواب نامکمل سا لگا تو انہوں نے انگلستان کی وزارت صحت کو خط لکھا کہ اس ڈاکٹر کا پتہ دیں جس نے اس قسم کی دوائی کا اعلان کیا تھا۔ وزارت صحت کی طرف سے خط ملا کہ وہ ڈاکٹر کو نہیں جانتے۔ اس پر اباجی نے پھر خط لکھا کہ یہ افسوس کی بات ہے کہ سب ڈاکٹر وزارت صحت کے پاس رجسٹرڈ بھی ہوں اور پھر بھی وزارت مطلوبہ ڈاکٹر کو تلاش نہ کر سکے۔ چنانچہ وزارت صحت نے کچھ اور تھوڑی سی محنت کر کے ڈاکٹر موصوف کا پتہ لگا لیا اور اباجی کو اطلاع دے دی۔ اس پر اباجی نے اس ڈاکٹر کو خط لکھا اور اُنہیں یاد دلایا کہ فلاں وقت فلاں اخبار میں آپ کا مضمون چھپا تھا اور اُس میں آپ نے تحدّی سے کہا تھا کہ آپ نے ایک ایسی دوا تیار کی ہے جو بوڑھوں کو جوان بناتی ہے، میں

میں ایک بوڑھا ہوں اور اس دوائی کو حاصل کرنے کا خواہش مند ہوں ڈاکٹر کی طرف سے جواب ملا کہ اب وہ ریٹائر ہو چکے ہیں اور اس قسم کی کوئی دوائی فراہم نہیں کر سکتے۔ یہ جواب پا کر اباجی کو سخت افسوس ہوا۔ اس افسوس کی کیفیت کو غالباً وہ دوست زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں اباجی نے سینکھیا تلاش کرنے کے لئے کہا تھا اور جو متعدد بار مختلف جگہوں سے سینکھیا لے کر آئے لیکن اباجی کو وہ سینکھیا اس لئے پسند نہ آیا کہ وہ ایک عام سا پتھر ہوتا تھا نہ کہ اصل سینکھیا۔ یہ دوست بیسیوں کی تعداد میں ہوں گے۔ اور انہوں نے دُنیا کے ہر حصّہ سے سینکھیا لانے کی کوشش کی۔ اس سینکھیا سے اباجی کُشتہ بنانا چاہتے تھے۔ پہلے بھی کئی دفعہ بنا چکے تھے لیکن اس وقت اصل سینکھیا مل جاتا تھا۔ سینکھیا کے حصول میں ناکام ہو کر اباجی نے حکومت پاکستان کی وزارت صحت کو بھی لکھا کہ پاکستان سے اگر سینکھیا مل سکتا ہو تو وہ اُن کے لئے لائسنس جاری کریں۔

یہ سب باتیں اس بات کی مظہر ہیں کہ نہ صرف اباجی اپنی صحت کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے بلکہ اپنی قوّت ارادی سے پُورا پورا کام لے کر اپنی ہر کوشش کو انتہا تک پہنچاتے تھے۔

۱۳

معاشرے کی بہبود کے لئے اباجی اخبارات کو اور حکومت کے متعلقہ افسران کو توجہ دلاتے رہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک خط مارشل لا ایڈمنسٹریٹر صاحب کو بھی لکھا گیا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ حنیف رامے کو بھی توجہ دلائی گئی اور وفاقی حکومت کے بعض وزراء کو بھی مخاطب کیا گیا۔

محترم مارشل لا ایڈمنسٹریٹر صاحب کو دیگر باتوں کے علاوہ تحریر کیا " اگر آپ خلوص سے ملک کو جمہوریت کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں تو میری مخلصانہ گذارش ہے کہ ان پابندیوں کو یکسر منسوخ فرمائیے (پابندیوں کا تعلق سابقہ حکومت سے تھا۔) اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

(۱) اذا حکمتم بین النّاس فاحکموا بالعدل (۲) لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (۳) یاایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون۔ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔

حدیث شریف میں ہے:۔ کلکم راعٍ و کلکم مسئولٌ عن رعیتہ۔

اُمید ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد پر عمل پیرا ہو کر قوم اور ملک کی بہتری کے لئے یہ اقدام ضرور کریں گے کیونکہ اس کے بغیر مستحکم جمہوریت تو رہی ایک طرف نام کی جمہوریت بھی

قائم نہیں ہو سکتی۔ وما علینا الا البلاغ۔

ایک اور خط میں جناب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق مد ظلہا العالی کو لکھا "میں آپ کی مساعی جمیلہ سے بہت خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ آپ ملک کو موجودہ اُلجھے ہوئے مسائل سے نکال کر استحکام اور امن و امان بحال کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

روزنامہ جنگ کراچی کے ایڈیٹر صاحب کو آپ نے لکھا۔ "میں نے آج مورخہ ۹/جولائی ۱۹۷۷ء کو آپ کے اخبار کا ایڈیٹوریل پڑھا مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے حقیقت حال کا کھلے بندوں اظہار کیا ہے اور نہ صرف اظہار کیا ہے بلکہ حکومتِ وقت کو بھی توجہ دلائی ہے کہ ناواجب اور ظالمانہ کاروائیوں کے مرتکب افراد کا محاسبہ بھی کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔" اس کے بعد آپ نے ایڈیٹر صاحب کی توجہ بعض دیگر باتوں کی طرف بھی مبذول کرائی ہے۔

اسی طرح جنگ ہی کے ایڈیٹر صاحب کو ایک اور خط میں بعض دیگر باتوں کے علاوہ آباجی نے لکھا۔ "اصل اتحاد کے لئے قرآنی اصل یہ ہے کہ سُنّی، شیعہ اہلِ حدیث اور دیگر تمام فرقے اپنے آپ کو مسلمان کہیں اور سُنّی، شیعہ اہلِ حدیث کے جو لیبل لگا رکھے ہیں اُسے اُتار پھینکیں۔ اس کے نتیجہ میں اُن میں تالیف قلوب ہوگی اور نہایت اخلاص سے ایک دوسرے کو بھائی بھائی جاننے لگ جائیں گے۔ یہ تالیف قلوب اللہ ہی پیدا کر سکتا ہے۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی فرمایا کہ اگر تو زمین کی ساری دولت صرف کر دیتا تب بھی یہ تالیف قلوب پیدا نہ کر سکتا۔ پس اگر مسلمان متحد ہونا چاہتے ہیں تو اس قرآنی اصل پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہوں اور یہ کام بڑا کٹھن ہے۔

وما علینا الّا البلاغ۔"

یہ خط آپ نے اپنی بیٹی عزیزہ مکرمہ امۃ الحفیظ صاحبہ شوکت (طارق روڈ کراچی) کے گھر میں قیام کے دوران لکھا تھا۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے ابّاجی نے ایک گشتی مراسلہ سائیکلو سٹائل کر کے تقسیم کروایا۔ اس کا مکمّل متن ذیل میں درج ہے۔

اسلامی نظام

اسلامی نظام حکومت کا مکمل خاکہ اسلامی نماز میں مکمّل طور پر بیان ہوا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان نمازی اپنے میں سے ایک نمازی نیک صالح اور اعلم بالقرآن کو اپنا امام منتخب کر لیتے ہیں۔ امام کو ایک امتیازی مقام حاصل ہوتا ہے۔ سب چھوٹے بڑے ذکور و اناث اس مقام کی عزت و توقیر کرنے اور اطاعت امام کو اپنے لئے موجب فخر و مباہات تصوّر کرتے ہیں۔ جب ایک دفعہ امام رُو بہ قبلہ ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ دیتا ہے تو سب نمازیوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ تمام حرکات و سکنات میں امام کی پیروی کریں۔ اگر امام سے کوئی غلطی حرکات و سکنات یا قرأت میں سرزد ہو جائے تو امام کو یہ نہیں کہتے کہ آپ نے غلطی کی ہے بلکہ

نہایت ادب سے صرف ایک شخص سبحان اللہ کہے اور اگر اس پر وہ اپنی
غلطی کی اصلاح کر لے تو بہتر ورنہ اگر وہ غلطی پر قائم رہے تو حکم مسئلہ
مقتدیوں کو حکم ہے کہ اس کے ساتھ وہ بھی اس غلطی پر عمل پیرا رہیں
نتیجہ یہ ہوگا کہ امام اور مقتدی دونوں کو سجدہ سہو کرنا پڑے گا اور
یہ تو مطلق نہیں ہوگا کہ امام کو غلطی کرتے دیکھ کر کوئی سرپھرا نماز
ہی چھوڑ کر چلا جائے۔ یا چند سر پھرے لوگوں کو لے کر الگ جماعت
کھڑی کر لیں۔ اور الگ نماز پڑھانے لگ جائیں۔ مقتدیوں کی کثرت کے
پیش نظر امام کی آواز سب نمازیوں تک پہنچانے کے لئے مناسب فاصلوں
پر مکبّر کھڑے کر لئے جاتے ہیں۔

کیسی مکمل اور پاک تعلیم ہے۔ اگر مسلمان اپنے ملک میں صدر کو اپنا
سیاسی امام سمجھیں اور وزرائے اعلیٰ و گورنر اپنے آپ کو مکبّر کی حیثیت
دیں تو ان کی موجودہ حیثیت میں نہ صرف یہ کہ کوئی فرق نہ آئے گا۔ بلکہ
نظام سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مستحکم ہو جائے گا۔ فہو المراد۔

اس کے بعد میں اپنے پاکستانی مسلمان بھائیوں سے صرف یہ عرض کرنا
چاہتا ہوں کہ پاکستان آجکل جن نازک حالات سے گزر رہا ہے ان کا طبعی
تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جمہوریت کی ترویج کے لئے جس شخص کو
ہمارا لیڈر مقرر فرمایا ہے ہماری خوش بختی ہے وہ ایک منجھا ہوا سیاستدان
ہے۔ ملک کا مخلص ہمدرد اور بہی خواہ ہے۔ اس کو اپنا سیاسی امام
بنا کر اس کے ہر حکم پر ہم کو سر تسلیم خم کرنا چاہیئے اور اگر اس کی رائے

سے اختلاف بھی ہو تو ادب سے نرمی سے پیش کرکے اسے رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس بات پر ہرگز بضد نہیں ہونا چاہیئے کہ ہماری ہی بات قبول کی جائے۔ صوبائی گورنروں اور وزرائے اعلیٰ کو نیک نیتی سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُن کی حیثیت ایک مکبّر کی ہے تاکہ صدر کی آواز رعایا کے جملہ افراد تک بآسانی پہنچائی جاسکے۔ ان کا ہرگز یہ اسلامی حق نہیں ہے کہ وہ صوبائی یا علاقائی خود مختاری کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ اسلامی لحاظ سے ایسے مطالبے اور نعرے باغیانہ خیال ہیں جس سے صدق دل سے توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت باغی اور قانون شکن لوگوں کو ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔

علاوہ ازیں موجودہ زمانے میں ہڑتالوں۔ اسمبلیوں سے واک آؤٹ اور قتل و غارت اور غصب و نہب کے جرائم جو وبائی امراض کی طرح پھوٹ پڑے ان سے امن و امان کی صورت نہایت مخدوش ہو گئی ہے۔ اس صورتحال کو قطعی طور پر ختم کرنے کے لئے سارے ملک کو متحد ہو جانا چاہیئے اور حزب مخالف ہوں یا حزب اقتدار سب کو عام لوگوں کے جان و مال کی حفاظت اور امن و امان کی فضا پیدا کرنے میں خلوص نیت سے کوشش کرنی چاہیئے۔

قرآن کریم میں لکھا ہے کہ جب رسول لوگوں کو مشورہ کے لئے بلائے تو جملہ اصحاب الرائے آدمیوں کو اس میں شامل ہونا چاہیئے۔ جس امر خاص کے متعلق جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ دیانتداری

اور اخلاص سے کام لے کر اپنی رائے کا اظہار کرے اور دل میں یہ گانٹھ نہ باندھ لے کہ اس کا مشورہ ضرور قبول کیا جائے گا۔ جب تک مجلس مشاورت قائم رہے۔ کسی کو مجلس سے باہر بلا اجازت نہیں جانا چاہیئے اور اپنی حاجت پوری کر کے فوراً اپنی جگہ پر آ بیٹھنا چاہیئے۔ یقیہ لوگوں کو دُعا کرنی چاہیئے کہ ایسی کمزوری کا ارتکاب کرنے سے اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے۔ حزبِ اختلاف کا صحیح کردار یہ ہے کہ اُمرِ مطلوبہ میں دیانت داری سے رائے دے اور اگر وہ رائے مقبول نہ ہو تو مخاصمانہ رویّہ نہ اختیار کیا جائے۔ اور نہ مجلس سے واک آؤٹ کیا جائے۔ مُلکی مفاد پر ذاتیات کو ترجیح نہ دی جائے اور مجلس میں جو فیصلہ ہو پُوری دیانت داری سے اس پر عمل درآمد کیا اور کرایا جائے۔ اگر اسمبلی میں اس رُوح کا مظاہرہ کیا جائے تو ملک چند ہی یوم میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتا ہے جسے ہِلا سکنا دشمنِ بد نہاد کے بس کی بات نہ ہو گی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اگر تمہارے اُوپر ایک ایسا شخص بھی مسلط کر دیا جائے جس کا سر منقّٰی کے دانہ کے برابر ہو تو بھی اس کی پوری پوری اطاعت کرو اور اس کے احکام سے سرمو انحراف نہ کرو۔ اور اس کے حقوق جو تم پر واجب ہیں دیانت داری سے ادا کرو۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ اگر وہ ہمارے حقوق ادا نہ کرے تو حضور نے فرمایا۔ اپنے حقوق کے لئے اللہ تعالےٰ سے دُعا کرو اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ہرگز کوتاہی نہ کرو۔ اگر وہ تمہارے حقوق ادا نہیں کرے گا تو اللہ تعالےٰ

کوئی اور سامان کر دے گا۔ آج کل اپنے من مانے حقوق کے لئے ہر طبقہ انتہائی اقدام کی دھمکیاں دیتا ہے اور اپنی مزعومہ حق تلفی کے ازالہ کے لئے ایسا طریق اختیار کرتا ہے جس سے بے گناہ عوام الناس ظلم کی چکّی میں پس جاتے ہیں۔

یہ کہاں کی شرافت ہے۔ قرآن کریم میں کہاں لکھا ہے کہ وہ ذرا ذرا سے اختلاف پر کام چھوڑ کر بیٹھ جاؤ اور حاکم کو تنگ کرو۔ کیا خدا نے حصولِ مقاصد کے لئے اور کوئی رستہ نہیں بتلایا۔ اگر قرآن مکمل شریعت ہے اور وہ ضرور مکمّل شریعت ہے تو اس کے بتائے ہوئے رستہ پر گامزن ہونا چاہیئے۔ تا کامیابی یقینی ہو۔ مسلمان اگر اپنے ملک کی ترقی اور استحکام چاہتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کے مبارک احکام کی پیروی سے ہو گا۔ دنیا داروں کی اندھا دھند تقلید کرنے سے ہرگز نہیں ہو گا۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ آپ لوگ نام کے مسلمان کی بجائے کام کے مسلمان بننے کی کوشش کریں گے اور اس طرح مُلک کے استحکام کا موجب بنیں گے۔

اس کے بعد مَیں پاکستان کی قومی وصوبائی اسمبلیوں کے منتخب ارکان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں خواہ وہ حزب اقتدار میں یا حزبِ اختلاف کہ مَیں ایک عہد کے الفاظ تحریر کرتا ہوں۔ یہ عہد آپ خود اور اپنے ماتحت عملہ و عوام سے لے کر ایک بہت بڑی نیکی کی طرف مثبت قدم اٹھائیں تا

مسلمانوں کی موجودہ بے حسی دُور ہو جائے منفی احکام جاری کرنے سے نہ آپ کا فرض ادا ہوتا ہے۔ اور نہ اسلام رائج ہو جاتا ہے۔ یہ احکام چودہ سو سال سے نافذ ہیں۔ کمی صرف عمل کرنے والوں کی ہے۔

پس آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنی منزل کی طرف مثبت قدم اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

۱۔ ہر صوبائی دارالحکومت میں بلا استثناء احدے پابندی نماز کا التزام کریں

۲۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی پہلی سترہ آیات زبانی حفظ کرائیں اور ترجمہ بھی سکھائیں۔ یہ تین ماہ کا کورس ہے۔ اگلا نصاب جنوری ۱۹۷۳ء سے شائع کیا جائے گا۔

خاکسار

ماسٹر عطا محمد۔ جامعہ احمدیہ ربوہ

ہر پاکستانی کا عہد (اپنے نفس اور اللہ تعالیٰ سے)

۱۔ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جاؤں شرک نہیں کروں گا۔ نہ خفی نہ جلی۔

۲۔ دوم یہ کہ جھوٹ، زنا، بدنظری، ہر ایک فسق و فجور، ظلم اور خیانت اور فساد و بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہوں گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوں گا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

۳۔ سوم یہ کہ بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے

کرتا رہوں گا اور حتی الوسع نماز تہجد پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کروں گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کرکے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روز ورد بناؤں گا

۴۔ چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دوں گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ اور کسی طریق سے۔

نوٹ:۔ اس عہد کی پابندی ہر چھوٹے بڑے اور خاص و عام سے کرائی جائے اور اس پر سختی سے عمل کیا اور کرایا جائے۔ اور اسے جلی الفاظ میں لکھ کر اسمبلی ہال میں لٹکایا جائے۔ سرکاری دفاتر میں اس کی نقول آویزاں کی جائیں۔"

ایک دفعہ اباجی جامعہ احمدیہ کے بیرونی ممالک کے طلباء کے ساتھ رخصتوں کے ایام میں ایبٹ آباد گئے ہوئے تھے۔ (یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے) جہاں آپ کا قیام تھا اُس کے قریب ہی ایک ہوٹل میں آپ بمعہ طلباء کھانا کھایا کرتے تھے۔ چند دنوں کے بعد گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے تقریباً ۲۰ طالب علم بھی وہاں کھانا کھانے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ اباجی اور اُن کے طلباء جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں تو انہوں نے ہوٹل کے مالک سے احتجاج کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ

وہ انہیں کھانا دینے سے انکار کر دے۔ پہلے تو ہوٹل کے مالک نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب کالج کے طلباء کا اصرار بڑھا تو اس نے اباجی کو اور اُن کے طلباء کو اس ہوٹل پر آنے سے منع کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد اباجی نے گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے پرنسپل صاحب کو خط لکھا اور اُن کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کروائی کہ ان کے طلباء کا رویہ نامناسب تھا اور وہ کوشش کریں کہ اُن کے طلباء میں رواداری پیدا ہو کیونکہ یہ بات انہی کے مفاد میں ہے۔

غرض اباجی اپنے جذبات کے اظہار کے لئے قلم کا خوب استعمال کرتے تھے۔ اور کوئی موقع معاشرے کی بہبود کے لئے کچھ کر سکنے کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

معاشرہ کی بہتری کے لئے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ اباجی کو یہ خیال آیا کہ اگر ۴۰ افراد مل کر مسلسل ۴۰ دن رات دُعائیں کریں تو معاشرے پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے اس کے لئے اباجی مجھ سے اور بعض دوستوں سے بار بار کہتے تھے کہ ایسے ۴۰ آدمی مل جائیں اور وہ اپنے آپ کو ۴۰ دن دُعا کرنے کے لئے وقف کریں تو ان چالیس دنوں کا اُن کا سارا خرچ میں برداشت کروں گا۔

مجھے یقین ہے کہ اگر معاشرے کی بہبود کا یہی جذبہ ہر شخص کے دل میں پیدا ہو جائے تو معاشرے کی تمام برائیاں یکسر ختم ہو جائیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

۱۴

حضرت مولوی عبید اللہ صاحب بسمل نے اباجی کو فرمایا تھا کہ وہ طب پڑھیں۔ کیونکہ ان کی طبیعت کو طب سے زیادہ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ اباجی نے باقاعدہ طب تو نہ پڑھی لیکن حضرت مولانا صاحب کی یہ بات درست ثابت ہوئی کہ اباجی کو طب سے دلی لگاؤ تھا۔ اوائل جوانی ہی میں آپ نے ایک نوٹ بک تیار کی جس کا نام "بیاضِ عطائی" رکھا۔ یہ ۱۹۱۵ء کی بات ہے۔ اور ہر جگہ سے اچھے اچھے نسخے حاصل کر کے اس میں درج کئے۔ اس بیاض میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں نسخے تو یقیناً درج ہیں۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کاپیاں نسخوں سے بھری پڑی ہیں بعض دوائیں خود بڑی محنت سے بناتے اور مفت تقسیم کرتے تھے ساری عمر کبھی کسی سے کسی دوائی کی قیمت وصول نہیں کی۔ یوں تو کئی دوائیں بناتے تھے۔ لیکن خاص طور پر دو دوائیں، ایک پیچش کے لئے اور دوسری نرینہ اولاد کے لئے، بڑے شوق سے تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ جس جس کو نرینہ اولاد کے لئے دوائی دی اُسے اللہ تعالےٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ آپ کی اکثر یہ خواہش ہوتی تھی کہ جب کسی دوست یا اس کے لڑکے لڑکی کی شادی ہو تو اس کے ہاں

پہلا بچہ لڑکا پیدا ہو اور جب دیکھتے کہ اُن کے کسی دوست کے ہاں یکے بعد دیگرے دو تین لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں تو اصرار کے ساتھ اپنی تیار کردہ دوائی استعمال کرواتے۔ دوائی دینے کے بعد اگر پتہ چلتا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے تو پوچھتے کہ دوائی استعمال کی تھی یا نہیں۔ اکثر اوقات پتہ چلتا کہ دوائی واقعی استعمال نہیں کی گئی تھی۔

آپ کے کاغذات میں سے بعض ایسے خطوط ملے ہیں جن میں اس دوائی کے حاصل کرنے والوں نے شکریہ کا اظہار کیا ہے۔ ایک خط مکرم مولانا محمد بشیر صاحب شاد کا ہے وہ لکھتے ہیں۔ ”جیسا کہ آپ کو علم ہے اللہ نے اس عاجز کو اپنے فضل سے اولاد نرینہ سے نوازا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لڑکے اور لڑکیاں عطا کرتا ہے تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ادویات میں تاثیر بھی اُسی کے حکم سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسباب کو اختیار کرنا بھی اُسی کا منشا ہے اس عریضہ کے ذریعہ یہ عاجز آپ کے اُس شفقت و محبت کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے جس کے تحت آپ نے اس عاجز کی اہلیہ کے لئے نرینہ اولاد کے لئے نسخہ تجویز فرمایا۔ اور اس بارہ میں محبت کے پیش نظر بار بار اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور آپ کو اور آپ کی اولاد کو دینی و دنیوی نعمتوں سے نوازے آمین“

ایک اور خط انڈونیشیا کے ایک طالب علم ”ذوالکفلی لیویس“

کا ہے۔ جب ابا جی کو پتہ چلا کہ اس نوجوان کے ہاں دو لڑکیاں ہیں تو آپ نے یہ دوائی اُسے بھیجی۔ اُس نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "آپ نے نرینہ اولاد کے لئے جو دوائی بھیجی تھی۔ وہ اب جبکہ استعمال کا وقت آیا ہے مل نہیں رہی۔ بہرحال دُعا کی درخواست کرتا ہوں اور اس بات کا آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ تمام طالب علم جنہوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی ہے آپ کو کبھی بھلا نہیں سکتے۔"

طب میں آپ کی دلچسپی بنی نوع انسان سے ہمدردی کے اظہار کے لئے تھی۔ ساری عمر نسخے اکٹھے کئے اور جو مفید ثابت ہوئے۔ ان کو بڑی محنت سے تیار کیا اور دوستوں میں مفت تقسیم کیا۔ بعض اوقات اچھے اچھے نسخے اپنے حکیم دوستوں کو لکھ کر دیا کرتے تھے کہ وہ بھی اُن کے استعمال سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائیں۔

اللہ تعالےٰ آپ کے اس جذبے کو قبول فرمائے۔ آمین۔ اور ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اس جذبے کو اپنا سکیں اور بنی نوع انسان کے کسی کام آسکیں۔

۱۵

ابّا جی کو اللہ تعالےٰ نے پانچ بچّے عطا فرمائے۔ دو لڑکے اور تین لڑکیاں۔ ان سب کے متعلق ابّا جی نے جو نوٹ اپنی ڈائری میں لکھے ہیں وہ درج ذیل ہیں :-

۱۔ آج مورخہ ۱۶ ر نومبر ۱۹۱۴ء بروز سوموار ۸ بجے صبح عزیزہ امۃ الرحمٰن بفضل و کرم خداوند کریم تولّد ہوئی۔ فالحمد للہ۔

۲۔ آج بروز بدھ مورخہ ۱۶ ر ماہِ مئی ۱۹۱۷ء ۱۲ بجے دوپہر خاکسار کے ہاں محض اللہ تعالیٰ کے بے حد فضل و احسان سے لڑکا تولّد ہوا جس کا نام حضرت خلیفۃ ثانی نے نور محمد رکھا۔ ذالکَ فضل اللہ یوتیہ من یشاء

؎ ببیں ایں لطف و جُودِ آں خداوند
عطارا کرد عطا فرزندِ دلبند

الٰہی اس مولود مسعود کو اپنے خاص فضل سے صالح، خادم دین، طالب رضائے الٰہی، معمر اور عاجز کے لئے خیر و برکت کا موجب بنا آمین ثم آمین۔

۳۔ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۹ء بروز جمعرات ۱۰ بجے دن کے ہمارے گھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ماتحت لڑکی تولّد ہوئی جس کا فی الحال نہ عقیقہ کیا اور نہ ہی نام رکھا تھا۔ عاجزہ کا خیال تھا کہ اس لڑکی کا نام جو پہلے دو بچوں سے زیادہ خوبصورت اور فربہ تھی امۃ الحفیظ رکھوں گا۔ مگر افسوس کہ اللہ کی رضا کے ماتحت عزیزہ مذکور نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۱۹ء کی شام کو قریبًا ۱۰ بجے کے انتقال کیا۔ انا للہ وانّا الیہ راجعون۔

۴۔ آج مورخہ ۲۸ر نومبر ۱۹۲۴ء بروز جمعہ بوقت تقریبًا ۱ بجے قبل دوپہر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل واحسان سے اس خاکسار کے ہاں لڑکی تولّد ہوئی جس کا نام امۃ الحفیظ رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مولود مسعود کو ہمارے لئے خیر وبرکت کا موجب بناوے اور اُسے خادم دین اور اپنی رضا کا طالب۔

۵۔ آج مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۲۷ء بروز شنبہ بذریعہ تار خبر موصول ہوئی کہ اللہ کے خاص فضل واحسان سے عاجز کے ہاں لڑکا تولّد ہوا ہے جس کا نام محمد صادق رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اسم بامسمّٰی کرے۔ حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ نے مولود کا نام فیض محمد تجویز فرمایا اس لئے اس کا مرکب نام فیض محمد صادق ہوا۔

آپا امۃ الرحمٰن (جنہیں میں بی بی کہا کرتا تھا) ۱۹۴۳ء میں وفات پاگئیں۔ چھوٹے چھوٹے تین بچے اپنی یادگار چھوڑے چونکہ ہماری والدہ

ہماری کم سنی ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔ میری تربیت اور راہنمائی زیادہ تر آپا امۃ الرحمٰن ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ اُن دنوں قادیان میں مساجد میں اور ریتی چھلے میں اکثر مغرب کی نماز کے بعد جلسے ہُوا کرتے تھے۔ آپا کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی کہ میں تلاوت کروں یا نظم پڑھوں اور اکثر جلسے میں شرکت کے لئے جاتے ہوئے میں راستے میں اُونچی آواز سے یا تلاوت کرتا جاتا یا نظم پڑھنے کی مشق کرتا لیکن جلسہ گاہ میں پہنچ کر حجاب کی وجہ سے اپنے آپ کو آگے نہ لاتا۔ چنانچہ جب میں سلسلہ کی طرف سے نائیجیریا میں متعین تھا اور ریڈیو پروگرام کیا کرتا تھا تو بعض اوقات میری آنکھیں اس لئے نم آلود ہو جاتیں کہ اگر اس وقت میری آپا دُنیا میں موجود ہوتیں اور ریڈیو پر میری تقریر سنتیں تو یقیناً خوشی سے پھُولی نہ سماتیں۔

باتوں باتوں میں وہ میری مذہبی اور اخلاقی راہنمائی کرتیں اور یہ کام انہوں نے اپنی عمر کے آخری حِصّہ تک نہایت محبت کے ساتھ سرانجام دیا۔ میں زندگی بھر اُن کے اس احسان کو یاد کر کے اُن کے لئے دُعائیں کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اُن کے بچّوں کا اور آئندہ نسلوں کا خود ہی حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

میری چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ امۃ الحفیظ شوکت سلسلہ کے کاموں میں حتی المقدور پُوری کوشش کے ساتھ حِصّہ لیتی ہیں۔ جب میں ۱۹۶۴ء میں نائیجیریا سے واپس پاکستان آیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ جب بھی اور جہاں بھی شاپنگ کے لئے جاتی ہیں سلسلہ کا لٹریچر اپنے ساتھ رکھتی

ہیں اور سودا خریدنے کے بعد کوئی نہ کوئی پمفلٹ یا کتاب دوکاندار کو
پڑھنے کے لئے دے آتی ہیں۔ پھر چند روز کے بعد دوبارہ اُس دکان
پر جا کر دکاندار سے اس کتاب کے متعلق پوچھتی ہیں۔ یہ کام ایمانی جُرأت
کا تقاضا کرتا ہے اور میں خوش ہوں کہ میری بہن اس ایمانی جرأت کا اظہار
کرتی ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے یہ پروگرام بھی بنایا کہ مختصر مضامین جو الفضل
یا کسی دوسرے رسالے میں چھپیں اُن کی کاپیاں وہ دکانوں کے بند ہونے
کے بعد بازار میں چسپاں کر دیتی تھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان مضامین
کو پڑھ کر احمدیت سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے
کہ اُن کے خاوند مکرم چوہدری سلطان احمد صاحب طاہر میں بھی قابلِ رشک
حد تک دینداری کا عنصر نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فراخی بھی عطا
کی ہے اور وسیع القلبی بھی۔

میرے چھوٹے بھائی عزیزم فیض محمد صاحب صادق ایڈووکیٹ ہائی
کورٹ لاہور محنت اور لگن کی نمایاں مثال ہیں۔ میٹرک بہت ہی تھوڑے
نمبروں سے پاس کی۔ لیکن اُس کے بعد انہوں نے ملازمت کے دوران تعلیم
جاری رکھی۔ کچھ عرصہ محکمہ بحالیات میں کام کیا۔ پھر ہائی کورٹ میں آ گئے
وہاں کافی عرصہ ریڈر رہے۔ ہائی کورٹ کے جُملہ کارکنوں سے اچھے
تعلقات ہونے کی بناء پر یونین کے دو دفعہ صدر بھی منتخب ہوئے۔ اب
تو وکالت کی پریکٹس کرتے ہیں اور ساتھ ہی وکالت کی کتابیں بھی تصنیف
کرتے ہیں لیکن جب وکیل نہیں بنے تھے اُس وقت بھی ہائی کورٹ کے متعلق

نہایت مفید کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب پر محترم شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم سابق جج نے تبصرہ کیا اور وہ تبصرہ پاکستان ٹائمز میں چھپا۔ اس کتاب کا دیباچہ جسٹس سجاد احمد جان صاحب نے تحریر کیا تھا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب حکومت نے ہائی کورٹ کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز مانگیں تو عزیزم فیض محمد صاحب صادق کی تجاویز کو بہت سراہا گیا اور اس سلسلہ میں انہیں ایک سرٹیفکیٹ بھی عطا کیا گیا۔

جہاں تک خاکسار کا تعلق ہے میرا وقف حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۴۴ء میں منظور فرمایا اور میں جنوری ۱۹۴۵ء میں نائیجیریا کے لئے بطور مبلغ بھیج دیا گیا۔ راستے میں تقریباً چھ مہینے فلسطین میں محترم مولانا محمد شریف صاحب کے پاس ٹھہرا۔ محترم مولانا صاحب کو کام کرتے دیکھ کر اور اُنکی راہنمائی میں مَیں نے تبلیغی میدان میں کام کرنے کے لئے بہت کچھ سیکھا۔ لوگ دستار بندی کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو ایسا کوئی رواج نہیں لیکن ایک لحاظ سے فلسطین سے روانگی کے وقت مولانا صاحب نے میری دستار بندی بھی کردی۔ ہُوا یوں کہ جب روانگی کے لئے ٹیکسی میں بیٹھنے لگے تو محترم مولانا صاحب ایک بندھی بندھائی پگڑی لئے میرے پاس آئے۔ میری ٹوپی سر سے اتاری اور پگڑی میرے سر پر رکھ دی۔ مَیں نے بہتیرا کہا کہ نہ مَیں نے کبھی پگڑی باندھی ہے نہ باندھنی آتی ہے۔ لیکن مولانا صاحب نے اصرار کے ساتھ کہا کہ پگڑی باندھنی خود ہی آجائے گی مَیں نہیں چاہتا کہ تم ٹوپی کے ساتھ تبلیغی میدان میں جاؤ۔ چنانچہ اُس کے بعد مَیں نے تبلیغی میدان میں اور واپس پاکستان

آکر بھی ہمیشہ پگڑی ہی پہنی ہے۔ پگڑی پہننے کی ایک یہ برکت بھی مجھے ملی کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنی دستار مبارک کا تحفہ عطا فرما کر پگڑی باندھنے کو چار چاند لگا دیئے۔

مَیں اس بات کو اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں کہ میری شادی سکینہ بیگم سے ہوئی۔ جس نے قدم قدم پر دینی امور کی انجام دہی میں نہ صرف میرا ہاتھ بٹایا بلکہ میری حوصلہ افزائی بھی کی۔ تبلیغی میدان میں میرا اس طرح ساتھ دیا کہ جماعت کے افراد مشن کے ساتھ اگر خاص وابستگی کا اظہار کرتے تھے۔ تو اس میں میری اہلیہ کا نمایاں ہاتھ تھا۔ ڈاکٹر کرنل محمد یوسف شاہ صاحب جو جماعت کی طرف سے نائیجیریا میں مشنری ڈاکٹر متعین ہوئے تھے اور جنہوں نے وہیں وفات پاکر شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ اس بات کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے کہ مشن ہاؤس میں جس طرح آپ کی اہلیہ مہمان نوازی کرتی ہیں اُس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی کامیابی میں اُن کا نمایاں ہاتھ ہے۔

مکرم مبارک احمد صاحب ساقی جنہوں نے اپنی پہلی تبلیغی ٹرم میرے ساتھ نائیجیریا میں گذاری تھی اور مشن ہاؤس میں اس طرح رہتے تھے جیسے ہمارے گھر کا ایک فرد ہوں۔ جب وہ پہلی ٹرم ختم کرکے واپس پاکستان آرہے تھے تو انہوں نے لندن سے مجھے خط لکھا کہ حاجی کے حسنِ سلوک نے تو مجھے اپنی ماں بھی بھلا دی تھی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میری اہلیہ میرے ساتھ قدم بقدم چل کر اپنے لئے بھی دینی خدمات کا

موقع پیدا کرتی ہے۔ اور میرے لئے بھی آسانیاں پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی کا باعث بنتی ہے۔

اپنی والدہ محترمہ کی وفات پر اباجی نے اپنی ڈائری میں لکھا:

"آج مورخہ ۲۴، جنوری ۱۹۵۹ء سوا چار بجے بعد دوپہر والدہ صاحبہ مسماۃ رحمت بی بی بعمر ۹۰ سال رحلت فرما گئیں۔ اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلیہِ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ والدہ صاحبہ کی وفات سے قریباً نصف گھنٹہ قبل عزیزہ سکینہ بیگم کا خط موصول ہوا۔ آپ کی بیماری کے آخری چار پانچ ایّام میں عزیزم فیض محمد صادق لاہور سے آگیا تھا۔ اُس نے بفضلہٖ تعالیٰ اماں کی بہت خدمت کی اور عزیزہ امۃ الحفیظ نے بھی اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اماں کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ہر دو کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور دینی دنیوی طور پر ہر قسم کی کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ آمین ثم آمین"

میں مع اپنی فیملی نائیجیریا میں تھا وہاں سے جو خط میری اہلیہ نے اور میں نے تعزیت کے لکھے اُن کے جواب میں اباجی نے میری اہلیہ کو لکھا

"عزیزہ سکینہ بیگم صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ ہر دو کا مشترکہ تعزیت نامہ اور اس کے بعد اُن عزیزہ کا علیحدہ

محبت نامہ ملا۔ حالات سے اطلاع ہو کر بے حد مسرت کا باعث ہُوا۔ میری والدہ محترمہ کے متعلق آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اللہ تعالے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے.......

انسان کی قدر اُس کے مَر جانے سے معلوم ہوتی ہے۔ ان کی عدم موجودگی سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اب مجھے اسی کا احساس ہونے لگا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے یہی دُعا ہے کہ وہ ہمارا حافظ و ناصر ہو اور اپنے ہی فضل اور رحمت سے اس خلاء کو پُر کر کے ہمارے قلبی اطمینان کا سامان مہیّا فرماتا رہے۔"

١٦

قادیان سے ہجرت کا اباجی کی طبیعت پر اتنا زیادہ اثر تھا کہ زندگی کے آخری ایام تک وہ بآوازِ بلند قادیان کا ذکر کرتے اور دُعائیں مانگتے کہ اے خدا تو ہمیں جلد قادیان لے چل۔ وفات سے ایک ہفتہ قبل تک وہ راتوں کو جاگتے ہوئے قادیان اور اپنی جائے پیدائش مکیریاں کا ذکر کرنے کے لئے مجھے اپنے پاس بُلا کر کہتے قادیان اور مکیریاں نے ایک ہی ہو جانا ہے۔ اور پھر مجھ سے پوچھتے کہ قادیان کب جائیں گے۔ جب میں اُن کی توجہ اس طرف سے ہٹانے کی کوشش کرتا تاکہ صدمے کا زیادہ احساس نہ ہو اور ان سے کہتا کہ یہاں بھی تو آپ آرام سے بیٹھے ہیں۔ تو وہ اس قسم کا اظہار کرتے کہ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم سے بات کرنے کا کوئی مزہ نہیں آیا۔ انہی دنوں میں بعض اوقات وہ مجھے اپنے پاس بلا کر کہتے کہ چلو اپنے گھر چلیں۔ میں انہیں یہ بتانے کی کوشش کرتا کہ یہی اپنا گھر ہے اور گھر کی مختلف چیزوں کی طرف اشارہ کر کے یاد دلاتا کہ یہی اپنا گھر ہے مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں اور یہی کہتے چلے جاتے کہ مجھے میرے گھر لے چلو۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں جبکہ میں مع فیملی نائیجریا

میں تھا۔ آپ نے میری اہلیہ کو لکھا کہ ربوہ میں اگرچہ مکان بنا لیا ہے مگر یہاں رہنے کو دل نہیں چاہتا۔ میری ہردم یہی آرزو ہے کہ کل کے جاتے آج ہی قادیان چلے جائیں۔

اپنے خطوں میں اپنے جذبات، حالات اور اردگرد کے واقعات کو تفصیل سے بیان کرتے تھے اور ان باتوں سے عاری خط کو خط ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ایک اور خط میں آپ نے میری اہلیہ کو لکھا "میں ایک دفعہ سردی کے موسم میں اَمرود لایا تھا تو آپ نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اَب جبکہ دو پودے اَمرود کے پھل دینے لگ گئے ہیں تو میرے دل میں بار بار یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر آپ یہاں ہوتیں تو بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرتیں۔ گھریلو پھل کھا کر بالخصوص تازہ اور نو بنو شاخ سے اتار کر جو خوشی ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ میں نے اس خیال سے کہ جب کبھی اللہ کو منظور ہوگا اور اللہ اپنے فضل و کرم سے آپ کو اس سرزمین میں قدم رکھنے اور یہاں کی برکات کی سے متمتع ہونے کا موقع عطا فرمائے گا۔ اور مسرتوں کے علاوہ یہ چیز بھی آپ کے اطمینان کا موجب ہوگی۔ مکان میں چند ایک پودے لگائے ہیں جو اگرچہ اس وقت ابتدائی حالت میں ہیں مگر اُمید ہے کہ انشاء اللہ اپنے شیریں اثمار سے آپ کی خدمت کیا کریں گے۔"

مَیں نے کہا ہے کہ اباجی اپنے خطوط میں اپنے جذبات اور حالات کا کھل کر ذکر کرنے کو ہی صحیح معنوں میں خطوط نویسی کا موجب سمجھتے تھے۔ ایک خط میں آپ نے میری اہلیہ کو جسے وہ کبھی عزیزہ سکینہ بیگم صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ

اور کبھی میری پیاری پُتری لکھا کرتے تھے لکھا :

"میرا خیال ہے کہ کڑھی کے ساتھ مَیں نے پوڑوں کی دعوت دی تھی کیونکہ اس سال دو تین دفعہ مَیں نے خود بھی پوڑے پکائے ہیں۔ جب مینہہ برستا تھا تو پوڑوں کو بڑا دل کرتا تھا۔

..... اس سال امرودوں کو بہت پھل لگا حتّٰی کہ ایک چھوٹا سا ایک سال کا پودا تھا اُسے بھی چھ سات بڑے بڑے امرود لگ گئے۔ یہ سیزن جولائی میں ختم ہو گیا تھا۔ اب پھر بفضل تعالیٰ کثرت سے لگے ہوئے ہیں اور بقدر پیوندی بیر کے ہو گئے ہیں۔ مَیں نے ارادہ کیا تھا کہ یہاں دہی لے کر اُسے خشک کر کے آپ کو بھیج دُوں تا کہ اُس سے آپ ضامن لگا کر دہی تیار کر لیں۔ مگر بعض دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ پنیر تو انگریزی دوا فروشوں کی دکان سے مل جاتا ہے۔ وہ لے کر آپ ٹرائی کریں۔ دُودھ کو ایک جوش دے کر نیچے اُتار لیں اور جب ذرا اُنگلی سہارنے لگ جاوے تو پنیر کا ذرا سا ٹکڑا تھوڑے سے دُودھ میں گھول کر اس میں ڈال دیں اور ڈھک دیں اُوپر سے۔ یا بیکنگ پاؤڈر سے بھی شاید یہ کام نکل سکے۔

قادیان کی یاد کا پھر ذکر کرتے ہوئے یہ بات بھی یہاں تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابّا جی نے اپنی والدہ محترمہ کے خوابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"تقسیم مُلک کے بعد خاکسار راقم الحروف نے کئی بار آپ سے عرض کیا کہ قادیان کی واپسی کے لئے دُعا کریں مگر ہر دفعہ یہی فرماتی رہیں کہ

دُعا تو میں بہت کرتی ہوں۔ مگر ہر دفعہ یہی نظارہ دکھایا جاتا ہے کہ قادیان کے راستے میں ایک بہت بڑا ٹھاٹھیں مارنے والا دریا حائل ہے۔"

الغرض اباجی کو قادیان کی جدائی کا بہت غم تھا اور اگرچہ آپ کے دوست یہی جانتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے تھے لیکن گھر کے تمام افراد اس بات کے شاہد ہیں کہ اباجی قادیان کیلئے ہمیشہ بے قرار رہتے تھے۔

۱۷

ایک مضمون " احمدیت کا نور " کا ایک اقتباس ،
ایک مضمون " اپنی والدہ محترمہ " کی وفات سے متعلق اور
ایک مضمون " میرا سفر کاغان " درج ذیل ہیں۔

خالد کے مارچ ۱۹۵۲ء کے شمارے میں آپا جی کا ایک مضمون " احمدیت کا نور " شائع شدہ ہے۔ اس مضمون میں اپنے بچپن میں دینی امور کی طرف توجہ اور اُس کے بعد بعض رؤیا کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

" اِن باتوں کے بیان کرنے سے میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ احمدیت ایک نور ہے اس نور کو جذب کرنے کے لئے نوجوانوں کو چاہیئے کہ اپنے اندر جلا پیدا کریں اور اس نور کو عملی رنگ میں جذب کرنے کی کوشش کریں۔ آپ لوگ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لٹریچر میں رویائے صالحہ، کشوف اور الہامات کا تذکرہ پڑھتے اور سنتے ہیں۔ ان چیزوں کو صرف سننے سنانے تک محدود نہ رکھیں۔ بلکہ اپنے اندر ایسی قابلیت پیدا کریں

کہ اللہ تعالیٰ کے منظور نظر ہو کر ان چیزوں کا عملی تجربہ کرنے کی آپ کو توفیق مل جاوے کیونکہ محض تھیوری انسان کو وہ استقلال اور ثبات نہیں بخش سکتی جو عملی تجربہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

پس اسلام اور احمدیت کے جملہ اصولوں کو ذاتی طور پر پرکھیں تا اس کے بعد شک و شبہ کی تمام تاریکیاں دُور ہو جائیں اور آپ لوگوں کا وجود نُورٌ علیٰ نور کا مصداق بن کر اسلام اور احمدیت کی مُنہ بولتی تصویر بن جاوے قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے من کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ۔

اس کی فلاسفی بھی یہی ہے کہ ظاہری نُور سے فائدہ اُٹھانے کیلئے باطنی نُور کا ہونا از بس ضروری ہے۔ اگر آنکھ میں دیکھنے اور سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت نہ ہو تو ہزار سورج بھی انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر باطنی نُور موجود ہو تو ایک ٹمٹماتے چراغ کی روشنی سے بھی انسان مستفید ہو سکتا ہے چہ جائیکہ نیّر اعظم نصف النّہار پر چمک رہا ہو۔ اللہ تعالےٰ آپ لوگوں کو ان باتوں کے سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

باطل است آں چہ مدعی گوید
خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مَرد باید کہ گیرد اندر گوش
در نوشتہ است پند بر دیوار۔"

میری والدہ مرحومہ

خاکسار کی والدہ صاحبہ جن کا نام رحمت بی بی تھا اور عرفِ عام میں مائی رحمتے کے نام سے مشہور تھیں۔ مورخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۵۹ء بروز ہفتہ سوا چار بجے دوپہر اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؕ

وفات کے وقت مرحومہ کی عمر قریباً نوّے سال تھی۔ آپ میں بہت سے اوصافِ حمیدہ پائے جاتے تھے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ تھا کہ اگرچہ نماز کی پابندی آپ قادیان آنے سے قبل بھی کرتی تھیں۔ مگر دارالامان کے ماحول میں پہنچ کر آپ نے علاوہ پنجگانہ نمازوں کے تہجد اور اشراق کی نمازیں بھی شروع کر دیں۔ اور جب تک ہوش و حواس قائم رہے۔ بالالتزام ادا کرتی رہیں۔ اور سوائے شاذ و نادر کے ان میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت کا خاص جذبہ آپ کے دل میں تھا۔ شروع شروع میں ایک ایک لفظ کر کے آپ نے قرآن کریم کی کئی لمبی لمبی سورتیں یاد کیں۔ قادیان ۱۹۱۲ء میں آپ نے پچپن سال کی عمر میں قاعدہ یسرنا القرآن پڑھا۔ قرآن کریم ناظرہ ختم کیا۔ اور پھر ساری عمر ایسے ذوق و شوق سے اس کی تلاوت کی جو ہم سب کے لئے باعثِ رشک تھا۔ حتّٰی کہ جب نظر کی کمزوری کی وجہ سے تلاوت مشکل ہو گئی تو قرآن کریم سامنے رکھ کر بڑی حسرت سے گریہ زاری کیا کرتی تھیں۔

تیسرے یہ کہ حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کو والہانہ محبّت تھی۔ اور اگرچہ قادیان کی رہائش سے قبل بھی آپ کو رؤیائے صالحہ ہُوا کرتے تھے۔ مگر دارالامان کے نُور سے منوّر ہو کر تو ان کی حالت نورٌ علیٰ نُور ہو گئی۔ کثرت سے سچّی خوابیں آنے لگیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیماری نے طول پکڑا تو ایک دن والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ آج رات مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا کے مکان پر شہ نشین پر بیٹھی ہوں۔ ڈیوڑھی کے باہر بہت سی مستورات درس سُننے کے لئے آئی ہیں۔ مگر چونکہ ڈیوڑھی پانی سے بھری ہوئی ہے۔ اس لئے اندر داخل ہونے کا کوئی رستہ نہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا سے دریافت کریں کہ ہم کس رستہ سے آئیں۔ میرے دریافت کرنے پر حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہدو "محمود کی سیڑھیوں سے اُوپر جائیں"۔

اس خواب کے چند ہی روز بعد حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات ہو گئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکّن ہو گئے۔ فالحمد للہِ علیٰ ذالک۔

تقسیم ملک کے بعد مَیں نے کئی دفعہ آپ سے عرض کیا کہ قادیان کی واپسی کے لئے دُعا کریں۔ مگر ہر دفعہ یہی فرماتی رہیں کہ دُعا تو میں بہت کرتی ہوں مگر ہر دفعہ یہی نظارہ دکھایا جاتا ہے کہ قادیان کے راستے میں ایک بہت بڑا ٹھاٹھیں مارنے والا دریا حائل ہے۔ جسے عبور کرنا بہت مشکل ہے۔

چوتھے یہ کہ خیرات کرنے اور اللہ اور رسولؐ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آپ کا دل فراخ تھا۔ اور اس راہ میں اکثر اپنی ہمت اور طاقت سے بڑھ کر قدم مارا کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے جب بھی کسی چندہ کی تحریک ہوتی تھی تو اس میں دل کھول کر حصّہ لیتی تھیں۔ اپنے ہمسایہ اور دیگر غرباء کا اکثر بہت خیال رکھتی تھیں اور کسی سوالی کو خالی نہ جانے دیتی تھیں بلکہ بعض دفعہ اپنے بدن کے کپڑے بھی اتار کر دے دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ سخت سردی کے دنوں میں ایک عورت نے آکر سوال کیا تو اپنا پورے بازوؤں کا سوئیٹر اتار کر اسے دیدیا۔ اور جب کہا گیا کہ آپ کو بھی تو اس کی ضرورت ہے تو فرمایا کہ میں نے اللہ کی راہ میں دیا ہے۔ وہ خود مجھے عطا فرمائے گا۔

پانچویں یہ کہ ہر موقع کے مناسب قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دُعائیں آپ کو یاد تھیں۔ اور ہر موقع پر مناسب دعا کرنا ان کی زندگی کا ایک محبوب مشغلہ تھا۔

چھٹے یہ کہ آپ کی طبیعت میں ملنساری کا مادّہ بہت تھا۔ زندگی بھر تمام رشتہ داروں اور واقف کاروں سے اپنے تعلقات قائم رکھے۔ اور سب کی شادی اور غم میں برابر کی شریک رہیں۔ بیماروں کی عیادت میں سب سے پیش پیش رہتیں۔ حتی الوسع اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی ان کی تیمار داری کرتیں اور اپنے ہمسایوں کی خانگی ضروریات کو پورا کرنے کا نہ صرف خود خیال رکھتیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تحریک و تلقین کرتی رہتی تھیں۔

غرض آپ کا وجود نافع الناس وجود تھا۔ اور آپ کی وفات سے ہم سب ان کی ان برکات سے محروم ہو گئے ہیں۔ احباب کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ اور ہمیں ان کے نیک نمونہ پر چلنے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

مرحومہ موصیہ تھیں۔ باوجود شدّت کی سردی اور کسی قدر ترشح کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازراہِ شفقت مرحومہ کا جنازہ پڑھایا۔ جس میں کثیر تعداد میں احباب شامل ہوئے۔ قریباً چار بجے بہشتی مقبرہ قطعہ ۵ میں مرحومہ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اَللّٰھُمَّ اغفرھا وارحمھا وَادْخِلْھَا فی الجنۃ۔ (خاکسار عطا محمد معلم جامعہ احمدیہ ربوہ)



حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر
مسجد اقصیٰ ربوہ کی بنیاد میں ایک اینٹ رکھتے ہوئے

سیرِ کاغان

بڑی دیر سے میری یہ دلی خواہش تھی کہ مَیں کسی طرح کاغان کی سیر کروں۔ اسی نیّت سے آج سے چار سال قبل مَیں ایبٹ آباد سے بالا کوٹ گیا مگر وہاں پہاڑوں کی اونچائی اور سڑک کی تنگی دیکھ کر مجھے حوصلہ نہ ہوا کہ مَیں اس وادی میں قدم رکھ سکوں۔

اِس سال چھٹیاں ہوتے ہی ۴؍جولائی کو مَیں گھر سے ایبٹ آباد کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اس نیّت سے مَیں پہلے لاہور گیا۔ کیونکہ وہاں سے سیدھی گورنمنٹ ٹرانسپورٹ مانسہرہ کے لئے مل جاتی تھی۔ مگر اس دفعہ گورنمنٹ نے وہ سروِس ہی بند کر دی۔ لہٰذا مَیں گورنمنٹ بس میں پہلے راولپنڈی پہنچا اور وہاں سے ایک دوسری بس میں ایبٹ آباد چلا گیا۔ وہاں مَیں نے احمدیہ مسجد میں قیام کیا جہاں ہر قسم کی سہولتیں بآسانی بہم پہنچ جاتی ہیں۔ قریبًا ایک مہینہ کے بعد جامعہ احمدیہ کی ایک پارٹی جو ہر سال ہائیکنگ کے لئے کہیں نہ کہیں جاتی رہتی ہے، مکرم قریشی نور الحق صاحب تنویرؔ کی قیادت میں ۹؍اگست ۱۹۵۷ء کو ایبٹ آباد آ گئی۔ یہ پارٹی کاغان جا رہی تھی۔ مَیں نے مولوی چراغ دین صاحب مربّی سلسلہ عالیہ احمدیّہ سے درخواست کی کہ وہ مکرم تنویرؔ صاحب سے میری سفارش فرمائیں کہ وہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ اس کے ساتھ ہی مَیں نے مکرم قریشی صاحب سے منّت عرض کیا کہ وہ مجھے بھی

اپنے ہمراہ لے چلیں۔ ۱۰ اگست کو صبح جب پارٹی بالاکوٹ کے لئے تیاری کر رہی تھی۔ مکرم تنویر صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ بھی تیار ہو جائیں۔ اور مَیں مختصر سا بستر باندھ کر تیار ہو گیا۔

گورنمنٹ کی بس پر صبح ۷ بجے کے قریب یہ پارٹی بالاکوٹ کے لئے روانہ ہوئی اور ہم بخیر و عافیت اُسی دن دوپہر کے وقت بالاکوٹ پہنچ گئے۔ وہاں پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے بنگلے میں رات قیام رہا۔ حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر دُعا کی۔ اس کے بعد پارٹی کے کچھ ممبر سیّد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مع مکرم تنویر صاحب حاضر ہوئے اور دُعا کی۔

اس بنگلے میں مٹی کے ایک تھڑے پر ایک ۲۴۰ پونڈ وزن کا پتھر رکھا ہؤا ہے اور اس پر لکھا ہؤا ہے MARYAM STONE جس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی خاکسار نے ہر چند کوشش کی مگر افسوس ہے کہ کسی قسم کی کوئی واقفیت حاصل نہ ہو سکی۔ اگلی صبح گورنمنٹ ٹرانسپورٹ بالاکوٹ سے ۶½ بجے روانہ ہوئی اور قریباً بارہ بجے کاغان پہنچ گئی۔ وہاں سب نے شاہین ہوٹل میں کھانا کھایا۔ وہاں تنور کی تازہ تازہ روٹیاں اور سالن ایسا کہ گھر میں بھی مشکل سے پک سکے، ایسا لُطف دے رہا تھا جس کی یاد مدتوں کم از کم میرے دل میں تازہ رہے گی۔ کاغان سے آگے ناران کل ۱۳ میل تھا مگر جیپ کا کرایہ ۳۵/- روپے مانگتے تھے۔ مکرم قائد قافلہ نے ایک جیپ میں بشمول اس خاکسار کے چار آدمیوں کو سوار

کرا دیا۔ کچھ بستر وغیرہ بھی رکھ دیئے اور باقی پارٹی فاران کے لئے پیدل روانہ ہو گئی۔ یہ جیپ ۴ بجے فاران جا پہنچی۔ پیدل قافلہ بھی رات گئے دیر سے بخیریت فاران پہنچ گیا۔ وہاں بھی پی۔ڈبلیو۔ڈی کے ایک بنگلے میں قیام ہوا۔ اگلے دن مَیں صبح ہی صبح ناشتہ کے بعد دیکھ رہا کہ وہاں پھل کونسا اچھا ہے کیونکہ ایبٹ آباد میں اس سال سیب اور ناشپاتی بہت داغدار ملتی تھی۔ دائیں ہاتھ ایک رستہ جاتا تھا جس کے موڑ پر لکھا ہوا تھا "TO SAIFUL MALOOK" یہ سائن بورڈ پڑھ کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور شوقِ دیدار نے مجھے بیقرار کر دیا۔ مَیں اکیلا ہی اس راہ پر چل پڑا۔ تھوڑی تھوڑی دُور چل کر اپنے قافلہ کو دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں آتا ہے یا نہیں۔ مجھے راہ میں کئی لوگ ملے۔ جب مَیں اُن سے پوچھتا کہ سیف الملوک کتنی دُور ہے تو کوئی تین کوئی چار میل بتلاتا۔ مگر ساتھ ہی مجھے نصیحت کرتا کہ تم بوڑھے ہو، چڑھائی بڑی سخت ہے، نہ جاؤ، گھر میں جا کر ایک پیالے میں پانی ڈال کر دیکھ لینا ایسی ہی سیف الملوک ہے۔ مگر مَیں یہ کہہ کر کہ جہاں سے آگے چلنے کی سکت نہ رہے گی مَیں واپس آجاؤں گا اُن کی ایک نہ سُنتا اور دل میں نہایت عاجزانہ اللہ تعالےٰ سے یہ دُعا کرتا کہ الٰہی! ان آنکھوں کو سیف الملوک دکھا دے۔ راستے میں کئی جیپیں آئیں اور گئیں۔ مَیں نے اپنی عمر کے لحاظ سے جیپ کا راستہ اختیار کر لیا اور استقلال سے دُعائیں کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ جب مَیں نے ۴ میل کا فاصلہ طے کر لیا تو پارٹی کے چند ممبر بھی مجھے آ ملے۔ مگر انہوں نے مجھے

ایک وحشت ناک خبر سنائی کہ دو لڑکے شارٹ کٹ کرتے ہوئے گر پڑے ہیں مگر اللہ تعالےٰ نے فضل کیا کہ انہیں کوئی زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ وہ تیزی سے مجھ سے آگے نکل گئے مگر راہ میں ایک جگہ دم لینے کے لئے بیٹھ گئے۔ پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں گھرے اور سیاہ بادلوں میں بڑا بھیانک نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ اور آخر جس بات سے میں ڈرتا تھا وہ ہو ہی گئی یعنی بارش شروع ہوگئی۔ میں نے اپنا سویٹر اتار کر سر پر رکھ لیا اور دعا کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اتنے میں ایک پہاڑ کی چوٹی کا آخری موڑ جب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے جھیل سیف الملوک نظر آرہی ہے۔ اس اثناء میں مکرم تنویر صاحب مع پارٹی کے جھیل کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ میں بارش میں شرابور ہو رہا تھا۔ انہوں نے جب مجھے دکان کی طرف جو جھیل کے کنارے سے تھوڑی دور بنی ہوئی ہے بڑھتے دیکھا تو دو لڑکوں کو ساتھ لے کر اپنے ہمراہ مجھے دکان پر لے گئے۔ عزیزم مظفر احمد نے بڑی ہمدردی سے میرا گیلا لباس اُتروایا اور اپنا ایک شارٹ کوٹ جو کافی گرم تھا مجھے پہننے کے لئے دیدیا۔ مکرم تنویر صاحب کے ارشاد کے مطابق مجھے دکان کے اندر لے جایا گیا جہاں چائے پک رہی تھی اور کافی الاؤ لگا ہوا تھا۔ وہاں میں سردی سے بہت حد تک محفوظ ہو گیا۔

یہاں بھی دکان کے سامنے ایک چبوترہ سا پتھروں کا بنا کر اس پر ایک پتھر رکھا ہوا تھا مکرم تنویر صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ آپ اس پتھر پر بیٹھ جائیں یا کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے تعمیلِ ارشاد کی تو انہوں

نے میرا فوٹو لے لیا۔

اب ظہر اور عصر کی نمازیں سیف الملوک کے پاس ادا کی گئیں۔ میرے وہاں پہنچنے سے قبل ایک جیپ وہاں کھڑی تھی جس میں پانچ چھ سرکاری ملازم سیر کرنے گئے ہوئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم کے ماتحت میری واپسی کا سامان فرمایا تھا۔ مکرم تنویر صاحب جیپ واپس آنے لگے تو جیپ والوں سے کہا کہ ہم تو سب جوان ہیں اور پیدل ہی جانا ہے مگر ہم میں ایک شخص بوڑھا ہے اُسے آپ جیپ میں ناران لے جائیں۔ انہوں نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔ چنانچہ جب یہ پارٹی سیف الملوک سے واپس ہوئی تو میں وہاں بیٹھا رہا۔ جب جیپ میں وہ لوگ سوار ہونے لگے تو انہوں نے مجھے بھی آواز دے کر بڑی تعظیم سے اپنی جیپ میں بٹھا لیا اور اس طرح میں آدھ گھنٹہ کے اندر اندر ناران پہنچ گیا۔ مکرم ملک مبارک احمد صاحب سیف الملوک نہ جا سکے کیونکہ ان کی ٹانگ میں اچانک درد شروع ہو گیا تھا۔ اگلے دن پارٹی بٹاکنڈی کے لئے تیاری کرنے لگی۔ اور مکرم تنویر صاحب نے مجھے جیپ پر سوار کرنے کا انتظام فرما دیا۔ جیپ ناران سے ۶½ بجے صبح چلی اور بالاکوٹ بارہ بجے پہنچ گئی۔ ۸½ روپے کرایہ خرچ ہوا۔ بالاکوٹ سے ایبٹ آباد بس کا کرایہ صرف دو روپے میں ایبٹ آباد سے ۱۵؍اگست ۱۹۷۱ء کو ہائی لینڈ کی بس میں جو لاہور اور مانسہرہ کے درمیان چلتی ہے صبح روانہ ہو کر پانچ بجے شام لاہور پہنچ گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس سفر میں مکرم تنویر صاحب نے مجھے ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش فرمائی جس کے لئے میں تا زندگی ان کا ممنون رہوں گا۔ بعض طلباء نے میرے ساتھ بہت محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ بالخصوص عزیزم مظفر احمد صاحب، عزیزم عبدالقدیر صاحب اور عزیزم مفتی احمد صادق صاحب نے ہر طرح میرے آرام و آسائش کا خیال رکھا اور مجھے اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں بے حد خوشی اور لذّت محسوس ہوتی ہے کہ جامعہ کی پارٹی کے تمام طلباء نے میرے ساتھ نہایت محبت اور پیار کا ایسا سلوک کیا جو مجھے تا دمِ واپسیں یاد رہے گا اور میں انشاء اللہ تعالیٰ سب کے لئے دل کی گہرائیوں سے دُعاگو رہوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب کو دُنیا و آخرت میں اس ہمدردی اور خدمت کی بہترین جزا عطا فرمائے آمین یا ربّ العٰلمین

آخر میں مجھے سب سے پہلے اپنے حقیقی مولا، رب العالمین کا شکر کرنا چاہیئے جس نے ربوہ پہنچنے تک ہر طرح میری حفاظت فرمائی اور لوگوں کے دلوں میں میری ہمدردی اور محبّت کا جذبہ پیدا کیا۔ پھر میں مکرم تنویر صاحب اور جملہ ممبرانِ پارٹی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے ساتھ حسنِ سلوک میں تا بحدِ مقدور کوئی کمی نہیں کی۔

ایبٹ آباد کے قیام کے دوران عزیزم نسیم مہدی صاحب، عزیزم شہزاد صاحب اور پیارے ابراہیم بن یعقوب صاحب نے میرے آرام و آسائش کے لئے جو ہمدردانہ رویّہ اختیار کیا اس کے لئے میں ان

صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آخر میں یہ عرض کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ وادیٔ کاغان کی سڑک پر گورنمنٹ خاص توجہ دے رہی ہے۔ سڑک چوڑی بھی کی جارہی ہے اور پختہ بھی بنائی جارہی ہے۔ بعض جگہ تو سڑک ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ماربل چپس کی بنائی گئی ہو۔ بالاکوٹ سے ۱۵ میل کیورتی ہے۔ وہاں سے بارہ میل مہانڈری اور وہاں سے گیارہ میل کاغان اور کاغان سے ۱۳ میل ناران ہے اور وہاں سے جیپ کے رستے ۶ میل سیف الملوک ہے سیف الملوک میں دو جگہ سے دائیں طرف سے اور ایک جگہ سامنے سے پانی آتا ہے اور جھیل میں پتھروں کی ایک دیوار بنا کر ایک موگا نکاس کے لئے رکھ دیا ہے۔ یہی موگا دریائے ناران کا منبع ہے۔

میں انشاء اللہ تعالےٰ اس علاقہ میں واقفیت نکالنے کی کوشش کروں گا اور میرا ارادہ ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ اگر میں زندہ رہا تو اگلے سال اس علاقہ میں کسی جگہ جاکر بچّوں کو قرآن کریم پڑھانے کی کوشش کروں گا۔ وباللّٰہ التوفیق۔ واللّٰہ الموفق لِکلّ خیرٍ وکمالٍ وبیدہٖ ازمنۃ الامانی والآمال۔

۱۸

ابّا جی کے دادا (محمد نسیم صاحب) کے پر دادا نے سکھ مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کا اپنا نام تو معلوم نہیں کیا تھا لیکن اُن کے بیٹے کا نام خدا بخش تھا جن کے بیٹے کا نام غلام محمد تھا۔ اُن کے بیٹے محمد نسیم خاکسار کے پر دادا تھے۔

ابّا جی کے سیرت و سوانح کے متعلق چند ایک باتیں جو ان صفحات میں لکھی گئی ہیں اُن سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ ابا جی کو علم سے گہری محبت تھی اور دین سے بے پناہ عشق۔ دوستوں کے دوست اور نیکوں کے دِلی دوست۔ ہر اچھّائی کو سراہتے اور ہر بُرائی کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کرتے اور زبان اور قلم سے اُسے روکنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے۔

تبلیغ کا بے حد شوق تھا اور ہر جگہ اور ہر شخص کو بے دھڑک تبلیغ کرتے تھے۔ کسی دُنیوی فائدے کو کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر بھی فوقیت نہیں دیتے تھے۔ خود دل کے کھرے تھے اور کھرے لوگوں کی قدر کرتے تھے۔ حتی الامکان دوسروں کے کام آنے کی کوشش

کرتے تھے۔

بچپن ہی سے دُعاؤں میں خاص شغف تھا اور دوسروں کو دُعاؤں کی تلقین کرتے تھے۔ خیالی صورتوں کی بجائے زندگی کی عملی صورت دیکھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔

حقیقی طور پر عالم باعمل تھے۔ علم کو پھیلانے کی جدوجہد کو دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ اپنی اولاد اور اپنے دوستوں کو زبان اور قلم سے دینی امور کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔

قادیان سے ایسی محبت تھی کہ زندگی کے آخری لمحے تک کسی نہ کسی رنگ میں قادیان جانے کی خواہش کا اظہار کرتے رہے۔ اپنے شاگردوں سے پیار کرتے تھے اور نہ صرف تدریس کے دوران بلکہ اس کے بعد بھی ان کا حال پوچھتے اور بہبود کا خیال رکھتے۔

اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ابّا جی کے سیرت اور سوانح کے تمام پہلوؤں پر تو حاوی نہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ یہ باتیں زاوئے اور سمت کو متعین کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اختتام پر مَیں قارئین سے گذارش کروں گا کہ ابّا جی کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ انہیں جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اُن کی نیکیوں کو زندہ رکھیں بلکہ اور آگے بڑھائیں۔ اُن کے لئے ہمیشہ دُعا گو رہیں کہ اب ہم اُن کی صرف یہی خدمت کر سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ وہ برکات جو اُن کے وجود سے وابستہ تھیں وہ ہمیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو ملتی رہیں۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم - نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ترجمہ اشعار فارسی رسالہ الوصیت مطبوعہ ۱۹۰۵ء

۱- اے وہ انسان جو عقلمند اور پاک فطرت ہے خبردار! دنیوی لالچ کیلئے دین کو برباد نہ کر

۲- اس فانی دنیا سے اپنا دل نہ لگا - کیونکہ اس کی ہر زینت میں سینکڑوں آفات پوشیدہ ہیں

۳- اگر تیرے ہوش کے کان کھلے ہوں ... تو تیری قبر سے یہ آواز تیرے کان میں آ رہی ہے

۴- کہ اے چند روز کے بعد کیڑوں کا لقمہ بننے والے انسان - اس کمینہ جہان کی محبت میں اپنے تئیں نہ بھلا

۵- جو شخص ذلیل دنیا کے دھندوں میں گرفتار ہے - وہ رنج - عذاب اور تکلیف میں مبتلا ہے

۶- نجات پا گیا وہ شخص جو موت پر نگاہ رکھتا ہے - جس نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اس کی (موت کی) آمد کا منتظر ہے

۷- سفر کرنے سے پہلے یار کی طرف سفر کر لیا ہے - دنیا سے اپنا سب بوریا بستر باندھ لیا ہے

۸- آخرت کے لیے چستی سے کمربستہ ہے - اور اس گھر کے سامان سے دل برداشتہ ہے

۹- جب زندگی کا معاملہ پوشیدہ اور نامعلوم ہے - تو یہی بہتر ہے کہ تو اس جہان سے دل توڑ لے

۱۰- جہنم جس کی قرآن کریم نے خبر دی ہے - اے عزیز وہ یہی دنیا کی حرص ہے

۱۱- جب آخر کار دنیا سے سفر کرنا ہے - جب ایک دن اس راہ سے گزرنا ہے

۱۲- تو عقلمند آدمی اس دنیا سے کیوں دل لگائے - جس کے پھول پر اچانک خزاں کی ہوا چلنے والی ہے

۱۳- اس بدکار سے اپنا دل لگانا غلطی ہے - کیونکہ یہ دین اور صدق وصفا کی دشمن ہے

۱۴- اس دو رنگے معشوق سے کیا فائدہ - جو کبھی تجھ سے مرہم سے سلوک کرتا ہے - کبھی جنگ سے

۱۵- تو اپنا دل اس محبوب سے کیوں نہیں لگاتا - جس کی محبت تجھے ساری پھندوں سے آزاد کر دیگی

۱۶- اے گمراہ جا اور اپنے انجام کی فکر کر - اور اگر تو میری بات نہیں سنتا تو سعدی کی بات کو سن

۱۷- "اگر تیرا خاتمہ نیکی پر ہوا - تو تیری موت کا نقارہ خوشی کا شادیانہ ہوگا"

خاکسار عطا محمد ریٹائرڈ اوورسیئر
دار الفضل قادیان - حال ربوہ - ضلع جھنگ
۷ - اکتوبر ۱۹۵۰ء

[illegible] ۲/۱۱/۱۹۵۰

پبلشرز :- سبقی برادرز ـــــ ۴ - میکلوڈ روڈ لاہور